ماہنامہ
محدث
بنارس

فروری ۲۰۲۳ء ◆ رجب ۱۴۴۴ھ

زکوٰۃ اسلام کا مالی نظام ہے..	۲
مذہبی رواداری قرآن اور سیرت رسول..	۶
نذر اور منت کے احکام ومسائل	۲۰
اخلاقی تعلیم: اہمیت وضرورت	۲۸
اسلام کی نظر میں انسانی جان کا احترام	۳۲

دارالتالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلّہ محدث بنارس

رجب ۱۴۴۴ھ
فروری ۲۰۲۳ء

جلد: ۴۰
شمارہ: ۲

اس شمارہ میں

۱-زکوٰۃ اسلام کا مالی نظام ہے...	عبداللہ سعود	۲
۲-کسب حرام کی مذمت	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۴
۳-مذہبی رواداری...	مدیر	۶
۴-سنن رواتب کے احکام ومسائل	ڈاکٹر عبد الصبور ابوبکر	۱۲
۵-نذر اور منت کے احکام ومسائل	عبدالعلیم عبدالحفیظ	۲۰
۶-اخلاق تعلیم: اہمیت وضرورت	طارق اسعد	۲۸
۷-اسلام کی نظر میں انسانی جان کا احترام	محمد محبّ اللہ	۳۲
۸-قوم یہود قرآن کی روشنی میں	سفیان احمد	۳۷
۹-اخبار جامعہ	ابوصالح دل محمد سلفی	۴۵
۱۰-فتاویٰ	ابوعفان نورالہدیٰ سلفی	۴۷

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت

مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپے
خصوصی تعاون:	1000	روپے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپے

مراسلت کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.**21044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

زکوٰۃ اسلام کا مالی نظام ہے جس میں خیر ہی خیر ہے

عبداللہ سعود

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ. (سورۂ روم: ۳۹) جو تم زکوٰۃ دیتے ہو تا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرو تو ایسے لوگ حقیقت میں اپنے مال میں اضافہ کرنے والے ہیں۔

یہ اللہ کا فرمان ہے جو ہر ذی روح کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے۔ سورۂ ملک میں اللہ نے سوال کیا ہے: أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ. (سورۂ ملک: ۲۱) اگر اللہ روزی روک لے تو بتاؤ کون تم کو روزی دے گا؟

سورۂ اعراف میں فرمایا: أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ. (سورۂ اعراف:) یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ کلمہ شہادت کے اقرار اور نماز کے قیام کے بعد تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان روزی کم وبیش تقسیم کی ہے، کسی کو امیر بنایا تو کچھ لوگ روٹی روزی کے محتاج ہیں۔ یہ اللہ کی حکمت ہے، کائنات کے نظام کو چلانے والا وہی ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے نظام میں مختلف خداؤں و دیوتاؤں کا دخل ہے۔ کوئی مال کا دیوتا ہے تو کوئی اولاد و بیماریوں کا۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کسی کو خواجہ، کسی کو غوث مانتے ہیں اور ان کی قبروں پر بھیڑ لگاتے ہیں، نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو واحد لاشریک، قہار و جبار ہے اس نے فرمایا: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا. (سورۂ انبیاء: ۲۲) اگر آسمان وزمین میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہوتا تو دونوں یعنی آسمان وزمین کا نظام بگڑ جاتا۔

آسمان میں فلکی نظام، سورج و سیاروں کا چلنا اور زمین پر مختلف چیزوں کا پیدا ہوتے رہنا، انسان وحیوان کے علاوہ درخت و پودے اور پانی و ہوا سب اللہ کے نظام اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور ایک ٹھوس نظام کے تحت چل رہے ہیں۔

زکوٰۃ اسلام میں مال کی تقسیم کا واضح نظام ہے جو امیر لوگوں سے وصول کر غریب لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ادا کرنی چاہیے۔ یہ سمجھ کر کہ اللہ کا حکم ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر، بتائے ہوئے مصارف میں، اور بتائے ہوئے مقدار میں، اور بتائے ہوئے وقت پر اللہ کی رضا کے لیے ادا کر دیں۔ اگر ہمارا ارادہ اس کے علاوہ دکھاوا یا احسان جتانا ہوا تو ایسی زکوٰۃ کا نہ ثواب ملے گا اور نہ ایسے طریقے پر ادا کرنے سے ہم اللہ کے اس وعدہ کے حق دار ہوں گے جس میں اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر زکوٰۃ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے نکالی جائے تو اللہ ہم کو زکوٰۃ کی رقم سے کہیں زیادہ لوٹائے گا اور دنیا و آخرت میں اس کے اجر سے ہم مستفید ہوں گے۔

سورۂ بقرہ میں اللہ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأَذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاء النَّاسِ. (سورۂ بقرہ: ۲۶۴) اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر برباد نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا عمل ویسا ہی ہو جیسے کوئی اپنا

مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے انسان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ دلوں کے وسوسوں سے بھی آگاہ ہے۔ کوئی اپنی دولت چھپا کر رکھے اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ نے سورۂ فصلت میں فرمایا: وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ. الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ. (سورۂ فصلت:۶،۷) جہنم ہے مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بار بار نماز کے قیام کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اپنے رسول محمد ﷺ کو حکم دیا ہے: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً. (سورۂ توبہ:۱۰۳) لوگوں سے ان کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کیجیے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کا بہت اہتمام کیا اور ہر طرف اپنے محصلین اور عاملین کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور بیت المال کا نظام بنایا اور باقاعدہ لکھنے والے اور حساب کرنے والے مقرر تھے۔ صحیح بخاری (۶۹۷۹)، صحیح مسلم (۱۸۳۳) میں ایک واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کا مذکور ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بنی سلیم کے پاس ابن اللتبیۃ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، جب وہ زکوٰۃ کا مال لے کر آئے تو آپ نے ان کا حساب لیا۔ انہوں نے جب مال جمع کیا اس میں سے کچھ الگ کر لیا اور کہا یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، میرا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: فهلّا جلست في بيت أبيك وأمك حتى تأتيك هديتك إن كنت صادقا. کیوں نہیں اپنے باپ و ماں کے گھر بیٹھے رہے اور تمہارے پاس ہدیہ آ گیا ہوتا اگر تو سچا ہے۔ آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور بیان کیا کہ میں لوگوں کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے بھیجتا ہوں اور لوگ آ کر کہتے ہیں یہ آپ کا ہے اور یہ میرا ہے، ہدیہ ملا ہے، کیوں نہ ان کے گھر بیٹھے ہوئے ہدیہ آ گیا۔ اللہ کی قسم تم میں سے کوئی شخص بغیر حق کے اس میں سے کچھ بھی لے گا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ قیامت کے روز اپنے اوپر لاد کر حاضر ہوگا۔ اونٹ ہے تو اونٹ، گائے ہے تو گائے کو اٹھائے گا، وہ جانور آواز دے رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا کہ بغل کی سفیدی دکھائی پڑ گئی اور آپ نے فرمایا: اللّٰهم هل بلغت. اے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ دو بار فرمایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے خود زکوٰۃ کے نظام کو مضبوط بنایا اور تمام چیزیں لکھی جاتی تھیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ بنے اور زکوٰۃ کی وصولی میں کوتاہی نظر آئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ اعلان کر دیا کہ جس طرح سے زکوٰۃ پہلے دیتے تھے بیت المال میں جمع کرو جو نہیں کرے گا اس سے وصولا جائے گا چاہے جنگ کرنا پڑے۔ جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے جنگ کی جائے گی۔

کسی بھی قوم اور معاشرہ میں مالی نظام کی مضبوطی اور ایمان داری قوم کی ترقی کا ضامن ہے۔ مسلم قوم نے زکوٰۃ کے نظام کو ذاتی اغراض اور ذاتی مفاد اور خودنمائی میں ختم کر دیا اور مسلم قوم جس کے صاحب ثروت اربوں روپئے زکوٰۃ میں نکالتے ہیں اسلامی نظام پر عمل نہ کرنے سے سب بے سود ہو کر رہ گیا ہے اور مسلم قوم مالی حالات میں بھی پسماندہ ہے۔ مدارس و مکاتب زکوٰۃ کی رقم سے چلتے ہیں، لیکن اس کے وصول کرنے والے چالیس تا ساٹھ فیصد تک کمیشن کی رقم اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ساتھ میں جو الگ رسید چلتی ہے اس کی کہانی بھی الگ ہے۔ وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جو خود ترقی کرنا نہ چاہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اور اس کا قول برحق ہے: وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. (سورۂ آل عمران:۱۳۹) اور تم ہی سب سے اوپر رہو گے بشرطیکہ تم مومن رہو۔ ☆☆

درس حدیث

کسب حرام کی مذمت

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ إن اللّٰه طيب، لا يقبل إلا طيبا، وإن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال تعالىٰ: يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا، وقال تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم. ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمدّ يديه إلى السماء: يا رب يا رب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام فأنى يستجاب له. (صحيح مسلم: ١٠١٥)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ طیب (پاک) ہے اور پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا حکم رسولوں کو دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! تم لوگ پاک اور حلال روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو اور فرمایا: اے مومنو! تم لوگ ہماری دی ہوئی روزی میں سے حلال روزی کھاؤ، پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کا جسم گرد آلود ہو اور بال بکھرے ہوئے ہوں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور دعا کرتے ہوئے کہتا ہے اے میرے رب، اے میرے رب، اس حال میں کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا کپڑا بھی حرام اور اس کی پرورش بھی حرام مال سے ہوئی، تو ایسے شخص کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔

محترم قارئین! مذکورہ بالا حدیث میں نبی ﷺ نے اپنی امت کو کسب حلال کی ترغیب دی ہے اور حرام کمائی سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ حلال کمائی پر امت کو اکساتے ہوئے نہایت ہی بلیغ انداز میں اہل ایمان کو مخاطب کیا ہے کہ مومنوں پر کسب معاش میں حلال طریقہ اور کھانے پینے میں حلال چیزوں کا انتخاب لازمی اور ضروری ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے اور یہ حکم صرف مومنوں کے لیے نہیں ہے بلکہ اللہ کے سب سے نیک بندوں اور سب سے افضل انسانوں یعنی اللہ کے رسولوں کو بھی تھا۔ پھر آپ ﷺ نے حرام کمائی کے نقصانات میں سے ایک عظیم نقصان کا ذکر کیا جس کا احساس انسان ظاہری طور پر نہیں کر پاتا وہ ہے دعاؤں کی عدم قبولیت اور اس چیز کو آپ ﷺ نے ایک مثال دے کر امت کو سمجھایا کہ ایک مسافر انسان جو دور دراز کا سفر طے کر چکا ہو، تھکا ماندہ ہو، پراگندہ حال ہو اور وہ دوران سفر اپنے رب کو یاد کر رہا ہو، اس سے التجا اور دعا کر رہا ہو، اپنی مرادیں مانگ رہا ہو اور اے میرے رب اے میرے رب کہہ کر اپنے مالک وخالق ورازق کو پکار رہا ہو، اس کے سامنے اپنی عاجزی

وانکساری کا اظہار کر رہا ہو، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جو کہ رحیم ہے کریم ہے اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے، مانگنے سے خوش ہوتا ہے اس بیچارے مسافر کی دعا قبول نہیں کرتا ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا کپڑا حرام، اس کی غذا حرام تو ایسے شخص کی دعا کہاں سے قبول ہو۔

محترم قارئین! آج کے اس مادی دور میں ہم مسلمان لوگ اپنی کمائی میں حلال وحرام کی تمیز بھلا بیٹھے ہیں، زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے میں مگن ہیں، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں کوشاں ہیں، کسی کو بھی حلال وحرام کی پرواہ نہیں۔ دنیا کی محبت ہمارے اوپر غالب ہو چکی ہے، فکر آخرت سے ہم دور ہو چکے ہیں، دنیا کے مال وجاہ، عزت وشہرت کا حصول ہی ہمارا مقصد بن چکا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے: **بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا، والآخرۃ خیر وأبقی.** (الاعلیٰ:۱۶، ۱۷) تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے جبکہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔

حلال وحرام کی عدم تمیز کی وجہ سے آج ہماری دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں جس کی شکایت ہم آپس میں کرتے رہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں لیکن سب بے سود جا رہا ہے اور اس کے بنیادی سبب پر غور نہیں کرتے، ہماری دعاؤں کی عدم قبولیت کی اصلی وجہ ہے کہ ہم حرام سے اجتناب نہیں کرتے، جھوٹ، مکروفریب، حیلہ بازی، دھوکہ دھڑی، جھوٹے گواہوں کے ذریعہ دوسروں کے مال ہڑپ کر جاتے ہیں، کمزوروں کو بیوقوف بنا کر ان کے مال پر قبضہ کر لیتے ہیں اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوں تو ہمیں حرام غذا، حرام پوشاک، حرام کھانے، حرام پینے سے اجتناب کرنا ہوگا اور کسب حلال کو اپنانا ہوگا۔

اس حدیث کے اہم اہم فوائد درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف حلال چیزیں ہی مقبول ہوتی ہیں اور حرام چیزیں سب غیر مقبول ہیں۔

۲- مومنوں کی طرح انبیاء ورسل کے اوپر بھی حلال کھانا پینا واجب تھا۔

۳- دعا کے وقت آدمی آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے۔

۴- اللہ تعالیٰ آسمان میں عرش کے اوپر ہے اور تمام مخلوقات پر اس کا علم محیط ہے۔

۵- والدین اور سرپرست حضرات اپنے بچوں کی پرورش میں حرام مال سے کلی طور پر اجتناب کریں۔

۶- اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسماء حسنیٰ ہیں ان اسماء کے ذریعہ دعا کرنی چاہیے۔

۷- دعا کی عدم قبولیت کے اسباب میں سے سب سے اہم سبب حرام چیزوں کا استعمال ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کسب حلال کی توفیق دے اور کسب حرام سے محفوظ رکھے، آمین۔

☆☆☆

مذہبی رواداری قرآن اور سیرت رسول کے آئینے میں

مدیر

اسلام دین رحمت ہے۔اس دین کے اندر رحمت ورافت کا ایک مرغزار آباد ہے۔اسلامی تعلیمات کا کوئی بھی جزء خواہ وہ زندگی کے کسی بھی گوشے سے متعلق ہو صرف انسانیت ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام جانداروں کے لیے رحمت ومحبت اور ہمدردی کا پیغام ہے۔انسان بحیثیت انسان اسلام کی نظر میں نہایت ہی مکرم ومشرف ہے۔رب کائنات نے انسان کی کرامت وشرافت اوراس کے مقام ومرتبہ کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (بنی اسرائیل: ۷۰) یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

بلاشبہ یہ شرف وفضیلت بحیثیت انسان ہر انسان کو حاصل ہے چاہے مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات حیوانات، جمادات ونباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔انسان کی اس فضیلت کی ایک بڑی وجہ اس کی عقل اور اس کا شعور ہے جس کے ذریعہ وہ غلط وصحیح، مفید ومضر اور حسین وقبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔اس عقل کے ذریعہ وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے تابع رکھتا ہے، اسی عقل وشعور کے ذریعہ وہ تدبیرات نافعہ ڈھونڈتا اور انہیں استعمال کرکے اپنی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بناتا ہے۔

ہر دور میں معترضین اور معاندین اسلام بڑے شدومد کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اسلام عدم رواداری کا مذہب ہے۔مسلمان اپنے علاوہ کسی غیر مسلم کو قطعی برداشت نہیں کرتا بلکہ اسلام کے اندر یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ مسلمان لڑائی کرکے دنیا کے تمام انسانوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کریں، وہ تلوار کے زور پر لوگوں کو مسلمان بنائیں۔آج یہ پروپیگنڈہ کچھ زیادہ ہی زور پکڑ چکا ہے ٹیلی ویزن، سوشل میڈیا، اخبارات وجرائد اور دیگر وسائل ابلاغ کے ذریعہ اس نظریہ کو عام کرکے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔

بلاشبہ اسلام ایک عالمی وآفاقی دین ہے اس کے احکام منزل من اللہ ہیں اور یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الإِسْلاَمُ (آل عمران:۱۹) بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اسلام کا پیغام ایک عالمی پیغام ہے۔اس پیغام کو لانے والے پیغمبر اسلام رسول رحمت ہیں، محسن انسانیت ہیں، پوری

کائنات کے لیے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

چونکہ امت محمد یہ امت اجابت اور امت دعوت کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے لہٰذا الٰہی منشاء یہ ہے کہ پوری نوع انسانی اس ہدایت بھرے پیغام اور اس دین رحمت کو قبول کر کے رحمت الٰہی کی مستحق بن جائے اور عذاب الٰہی اور جہنم سے بچ جائے۔اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تبلیغ کے لیے محمد ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا تا کہ آپ الٰہی پیغام کو عام کر کے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے کر اور ان کے سامنے اسلامی تعلیمات کی وضاحت کر کے لوگوں کو ان کے خالق حقیقی سے جوڑیں اور انہیں عذاب الٰہی سے بچائیں اس لیے آپ نے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: **والذي نفسي بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار** (مسلم: الایمان: ۱۵۳) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اس امت کا کوئی بھی انسان جو میرے بارے میں سنے وہ یہودی ہو یا نصرانی اور وہ اس شریعت پر ایمان نہ لائے جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور اسی حالت میں اس کی موت ہو جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔

مزید آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: **بعثت إلى كل أسود وأحمر** (صحیح الترغیب: ۳۶۳۶) میں اسود واحمر یعنی تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

دراصل اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ تمام انسانوں کو شرک وکفر کی ظلمت سے نکال کر توحید اور معرفت الٰہی کے نور کی طرف لائے، اس لیے اسلام کی طرف دعوت نبی کے بعد ہر مسلمان کا ایک دینی فریضہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمد یہ کو خیر امت قرار دیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران: ۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو تم بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امت مسلمہ کو دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینا ہے۔اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کے لیے کوشش کرنی ہے، دعوت توحید کو عام کرنا ہے لیکن اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ کسی بھی اللہ کے بندے کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے، طاقت، قوت، غلبہ اور حکومت کے زور پر اور تلوار کے ذریعہ خوف کا ماحول بنا کر کسی سے اسلام قبول کرایا جائے، جو لوگ بھی اس فکر کے ذریعہ اسلام کا تعارف کراتے ہیں دراصل انہوں نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں ہے۔اسلام کبھی بھی یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی فرد اسلامی تعلیمات کو سمجھے بغیر اور اپنی مرضی کے خلاف اسلام میں داخل ہو، ہر

انسان کو مکمل مذہبی آزادی ہے، اس سلسلے میں ہر شخص کو ان الٰہی ارشادات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ:۲۵۶) دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے۔

اللہ رب العالمین نے مزید فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف: ۲۹) اور آپ اعلان کر دیں کہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

ان قرآنی آیات کی عملی تفسیر سیرت رسول اور صحابہ وتابعین اور حکمران اسلام کے اعمال وکردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور اسلامی تاریخ مذہبی رواداری، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے ساتھ نرمی وخیر خواہی، ان کے مصالح کی رعایت، ان پر غلبہ وتسلط کے باوجود ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کرنے بلکہ انہیں پوری مذہبی آزادی دینے کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اسلامی تاریخ کے اندر ایسے بھی بہت سارے واقعات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے غیر مسلم بھائیوں کو جنگی حالات میں بھی اسلامی سلطنت کے اندر پرامن زندگی جینے کا حق دیا، انہیں ان کے مذہبی رسوم پوری آزادی کے ساتھ منانے کا اختیار دیا، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے مذہبی مقامات کی حفاظت کی۔ ذیل میں اس قسم کے واقعات کا کچھ نمونہ پیش کیا جارہا ہے، شاید اللہ ان کے ذریعہ کسی کو ہدایت کی راہ دکھادے۔

رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی نبوی زندگی بڑی آزمائشوں والی زندگی تھی۔ اہل مکہ کے سامنے جب آپ نے اسلامی دعوت پیش فرمائی تو ان لوگوں نے آپ کی بڑی مخالفت کی۔ آپ کی دعوت کو روکنے کے لیے اپنی ساری قوت صرف کر دی حتیٰ کہ آپ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا، آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ اللہ کے حکم سے آپ نے بھی اپنے محبوب وطن کو چھوڑ دیا اور مدینہ میں آکر آپ نے دعوت وتبلیغ شروع کر دی، یہاں بھی آپ کو مخالفتوں کا سامنے کرنا پڑا۔ کتب سیرت کے اندر ساری تفصیلات موجود ہیں۔ مکہ اور مدینہ دونوں مقامات پر آپ نے مذہبی رواداری کو باقی رکھا۔ آپ نے اسلام کی طرف دعوت تو دی مگر کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی۔ پرامن انداز میں آپ توحید کی دعوت دیتے رہے، آپ کا انداز واسلوب اور آپ کی دعوت کی حقانیت جس کو سمجھ میں آجاتی وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا اور جسے نہیں سمجھ میں آتی وہ اپنے دین پر قائم رہتا۔ ابتداء اسلام میں جبکہ آپ کو ابھی افرادی قوت حاصل نہیں تھی آپ نے یہی اسلوب اپنایا اور اسلام کو جب غلبہ حاصل ہو گیا افرادی قوت بھی بڑھ گئی اور وسائل بھی مہیا ہو گئے تب بھی آپ کی دعوت کا اسلوب یہی تھا۔

مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے جہاں پرامن معاشرہ کے قیام کے لیے مسلمانوں کو منظم کیا وہیں آپ نے غیر مسلموں اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ معاہدے بھی کیے۔ یہ معاہدے آپسی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنے اور معاشرہ کو نقض امن

سے بچانے کے لیے تھے۔مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''الرحیق المختوم'' کے اندر رقمطراز ہیں: ''نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعہ ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کرلیں تو غیر مسلموں کے ساتھ رہنے، تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گردوپیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے، چنانچہ آپ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔'' (الرحیق المختوم،ص: ۲۶۳)

معاہدے کی تفصیلات سیرت کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں ایک پرامن معاشرے کے قیام اور معاشرہ کو ہمیشہ پرامن رکھنے کے سارے اصول درج ہیں۔

مدینہ میں رہتے ہوئے آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ پوری رواداری برتی۔ان کے مصالح کا خیال رکھا، ان کے ساتھ آپ کے معاملات استوار ہوتے، ان کی دعوتوں میں آپ شرکت کرتے اور ان کے ساتھ ہر قسم کے لین دین جاری رکھتے۔

آپ نے ایک یہودیہ عورت کی دعوت قبول کی اور اس کے گھر کھانا کھانے گئے۔اس نے مسموم کھانا آپ کے سامنے پیش کیا، وہ آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی مگر اللہ نے آپ کو بچالیا۔(مسلم: ۱۷۹۵)

آپ ﷺ یہودیوں اور غیر مسلموں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ایک یہودی بچہ آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے گئے، آپ ﷺ اس کے سر کے پاس بیٹھے، آپ نے بڑی محبت سے کہا کہ اسلام قبول کرلو، اس نے وہاں موجود اپنے والد کی طرف دیکھا، والد نے کہا کہ تو ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لے، چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا، آپ ﷺ اس کے پاس سے نکلے اور آپ کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا ''**الحمد لله الذي أنقذه من النار**'' تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔(بخاری: ۱۳۵۶)

نبی ﷺ بلاتفریق مذہب انسانیت کا احترام کرتے تھے۔ایک بار آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، آپ سے ایک جنازے کا گزر ہوا آپ کھڑے ہوگئے، آپ سے کہا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''**أليس نفسا**'' کیا وہ جان نہیں ہے۔(بخاری: ۱۳۱۲)

اللہ کے رسول ﷺ نے معاہدین اور ذمیوں (غیر مسلمین جن سے معاہدہ ہو اور جو جزیہ دے کر اسلامی حکومت میں اسلام اور مسلمانوں کے امان میں آجائیں) کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی خصوصی تاکید کی۔آپ نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی معاہد پر ظلم کرے، اس کا حق غصب کرے، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے، اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے لے تو میں اس کی طرف سے اس شخص سے جھگڑوں گا۔'' (ابوداود: ۳۰۵۲، وصححہ الالبانی)

آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت دی کہ جو کسی معاہد کو ناحق قتل کرے وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پاسکتا جبکہ جنت کی خوشبو

چالیس سال کی مسافت سے پائی جائے گی۔(بخاری:۱۳۶۶)

رسول ﷺ کے عفو ودرگزر اور غیر مسلموں بلکہ دشمنان اسلام اور مسلمانوں کے قاتلوں کو بھی معاف کر دینے کے بہت سارے واقعات کتب حدیث اور کتب سیر وتاریخ کے اندر موجود ہیں۔اسلام کا ایک بڑا دشمن ثمامہ بن اثال پکڑا گیا، آپ ﷺ نے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اس کے ساتھ نرمی کرنے کی تاکید کی، تین دنوں تک وہ مسلمانوں کے درمیان رہا، پھر آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ مسلمانوں کے اخلاق اور نبی کریم ﷺ کے طرز عمل سے اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ وہ اسلام لا کر ہی اپنے گھر واپس گیا۔(بخاری: ۱۱۶۳، مسلم: ۴۵۸۳)

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے بڑے بڑے جنگی مجرموں کو معاف کیا اور آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کیا۔ آپ نے فرمایا: ''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔(الرحیق المختوم:۵۵۱)

ان تمام تفصیلات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے اندر انسانی ہمدردیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں، آپ محسن انسانیت تھے اور آپ نے اپنے ماننے والوں کو تمام انسانوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے کی تاکید کی۔

اسلام میں غیر مسلم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَى أَن تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِيْ الدُّنْيَا مَعْرُوفاً (لقمان:۱۵) اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا ہاں دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔

قرآن کریم کی یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔والدین اگر غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں حسن سلوک ضروری ہے۔اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں میرے پاس میری والدہ آئیں اور وہ مشرکہ تھیں، میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں اور وہ میرے مال کی خواہشمند ہیں تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اپنی والدہ کے سات صلہ رحمی کرو۔(بخاری:۲۴۷۷، مسلم:۱۰۰۳)

عہد رسالت مآب ﷺ میں کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ نیکی کرنے یا ان کو صدقہ دینے سے ثواب نہیں ملتا۔اس خیال کے رد میں اللہ تعالیٰ نے آیت اتار دی۔ارشاد ربانی ہے:

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَن يَشَاءُ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ (البقرہ:۲۷۲) انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے،

تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے۔تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ کسی بھی قسم کی بھلائی کرنے سے روکتا ہے ان کے اس خیال باطل کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (الممتحنہ:۸۔۹) جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور دیس نکالے دیئے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی۔جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم ہیں۔

اسلام کی یہ مذہبی رواداری ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام:۱۰۸) اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ لوگ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔

یہ ایک ایسی تعلیم ہے جو کسی بھی مقام پر مذہبی رواداری کو باقی رکھنے اور بین مذاہب ہم آہنگی کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء نے اسلام کی ان تعلیمات پر بدرجۂ اتم عمل کیا اور اسلام کی اس مذہبی رواداری کو برقرار رکھنے میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑی۔اللہ ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔آمین

■■

سنن رواتب کے احکام ومسائل

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر
استاذ حدیث، جامعہ سلفیہ

گزشتہ سے پیوستہ (ساتویں قسط)

قنوت وتر کا محل رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد:

تمام فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر کی آخری رکعت میں قراءت کے بعد بحالتِ قیام دعائے قنوت پڑھی جائے گی (۱)، لیکن اس امر میں ان کے درمیان اختلاف ہے کہ وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے گی یا رکوع سے پہلے۔ بعض اہل علم بعد الرکوع کے قائل ہیں اور بعض قبل الرکوع کے اور کچھ لوگوں کے نزدیک اس مسئلہ میں وسعت ہے اور دونوں صورتیں جائز ہیں اور دونوں صورتوں کو جائز کہنے والوں میں بعض نے قبل الرکوع کو افضل وبہتر قرار دیا ہے اور بعض نے بعد الرکوع کو۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے:

پہلا قول: دعائے قنوت کا محل رکوع کے بعد ہے۔

یہ قول خلفائے اربعہ سے مروی ہے (۲) نیز یہی شافعیہ (۳) اور حنابلہ (۴) کا معتمد مذہب ہے اور اسی کو محمد بن نصر مروزی نے اختیار کیا ہے (۵)۔

دلیل:

- عبدالرحمٰن بن عبدٍ قاری کی روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب نے رمضان میں نمازِ تراویح کے لیے لوگوں کو ایک امام ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا، وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور وتر میں دعائے قنوت پڑھتے، عبدالرحمٰن بن عبدقاری کہتے ہیں: وكان يقول إذا فرغ من لعنة الكفَرة، وصلاتِه على النبي، واستغفارِه للمؤمنين والمؤمنات، ومسألته: اللّهم إيّاك نعبدُ، ولك نصلّي ونسجدُ، وإليك نسعَى ونَحفِد، ونرجو رحمتَك ربّنا، ونخاف عذابَك الجِدَّ، إنّ عذابَك لمن عاديتَ مُلحِقٌ، ثمّ يكبّر ويهوى ساجدًا. (٦)

ابی بن کعب قنوتِ وتر میں جب کافروں پر لعنت، نبی کریم ﷺ پر درود اور مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کے لیے دعائے مغفرت سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اللّهم إيّاك نعبدُ، ولك نصلّي ونسجدُ، وإليك نسعَى ونَحفِد، ونرجو رحمتَك ربّنا، ونخاف عذابَك الجِدَّ، إنّ عذابَك لمن عاديتَ مُلحِقٌ. پھر اللہ اکبر کہتے اور سجدے میں چلے جاتے۔

وجہ استدلال: آپ کے فرمان ''ثمّ يكبّر ويهوى ساجدًا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد ہے کیوں کہ اگر قراءت کے بعد اور رکوع سے پہلے دعا ہوتی تو رکوع کے لیے تکبیر کہی جاتی نہ کہ سجدے کے لیے۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ولا بأس من جَعْلِ القُنوت بعدَ الركوع (۷) رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح اس قول کے قائلین نے قنوتِ وتر کو قنوتِ نازلہ کی عمومی روایتوں پر قیاس کیا ہے جیسے:

- ابو ہریرہ سے مروی ہے :أن رسول الله ﷺكان إذا أراد أن يدعو على أحدٍ، أو يدعو لأحدٍ، قَنَتَ بعد الرُّكوع(۸)

اللہ کے رسول ﷺ جب کسی پر بددعا یا کسی کے لیے دعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت کرتے"۔

-محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے کہا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے فجر میں قنوت کی ہے؟ انہوں نے کہا: نعم !بعدَ الرّكوع يسيرًا(۹) ہاں !رکوع کے بعد کچھ دنوں تک۔

-انس سے مروی ہے أن رسول الله ﷺقنت شهرًا بعد الركوع فى صلاة الفجر، يدعو على بنى عُصيّة(۱۰)

رسول اللہ ﷺ نے فجر میں رکوع کے بعد ایک مہینے تک قنوت پڑھی، آپ بنوعصیہ پر بددعا کررہے تھے۔

دوسرا قول: دعائے قنوت کا محل قبل الرکوع ہے۔

قراءت کے بعد رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھنا صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

ابن منذر رحمہ اللہ نے قنوت قبل الرکوع کے قائلین میں صحابہ وتابعین کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جیسے ابن عمر، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابوموسی اشعری، انس بن مالک، براء بن عازب، ابن عباس اور عمر بن عبدالعزیز، عَبیدہ، حمید الطّویل اور ابن ابی لیلی رحمہم اللہ وغیرہم(۱۱)۔

اسی قول کو ابوبکر ابن ابی شیبہ(۱۲) نے بھی اختیار کیا ہے اور مالکیہ (۱۳)، حنفیہ(۱۴)، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک(۱۵) کا یہی مذہب ہے۔

دلیل:

- ابی بن کعب سے مروی ہے: أنّ رسولَ الله ﷺكان يوتر فيقنت قبلَ الرّكوع(۱۶) اللہ کے رسول ﷺ وتر کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت کرتے تھے۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولم يحفظ عنه ﷺ أنه قنت فى الوتر إلا فى حديثٍ رواه ابن ماجه(۱۷)

سوائے ایک حدیث کے جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کسی اور روایت میں آپ ﷺ کے بارے میں یہ محفوظ نہیں ہے کہ آپ نے وتر میں دعائے قنوت پڑھی ہے اس کے بعد ابن القیم رحمہ اللہ نے ابی بن کعب والی روایت کو ذکر کیا۔

- عاصم احول رحمہ اللہ کہتے ہیں:سألت أنس بن مالك عن القنوت فى الصّلاة؟ فقال: نعم، فقلت: كان قبل الركوع أوبعده؟ قال: قبله، قلت: فإنّ فلانًا أخبرنى عنك أنّك قلتَ: بعده، قال: كذب، إنّما قَنَتَ رسولُ الله ﷺ بعد الركوع شهرًا: أنه كان بعث ناسًا يقال لهم: القرّاء، وهم سبعون رجلًا، إلى ناسٍ من المشركين، وبينهم وبين رسول الله ﷺ عهدٌ قبلهم، فظهر هؤلاء الذين كان بينهم وبين رسول الله ﷺعهدٌ، فقَنَتَ رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرًا يدعو عليهم(۱۸)

میں نے انس بن مالک سے نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ہاں نماز میں قنوت ہے، میں نے کہا: رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ کہا: رکوع سے پہلے، میں نے کہا: فلان نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ رکوع کے بعد ہے، انس نے کہا: اس نے جھوٹ بولا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے صرف ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت کیا تھا، دراصل آپ نے کچھ لوگوں کو جنہیں قراء کہا جاتا تھا اور جن کی تعداد ستر تھی، بعض مشرکین کی طرف بھیجا تھا، ان کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان پہلے سے معاہدہ تھا، تو ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مہینے تک رکوع کے بعد قنوت کی، آپ ﷺ ان پر بدعا کر رہے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوتِ وتر قبل الرکوع ہے اور قنوتِ نازلہ بعد الرکوع۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومجموع ما جاء عن أنس من ذلك أن القنوت للحاجة بعد الركوع، لا خلاف عنه فى ذلك، وأما لغير الحاجة فالصحيح عنه أنه قبل الركوع، وقد اختلف عمل الصحابة فى ذلك، والظاهر أنه من الاختلاف المباح (۱۹)

انس بن مالک سے وارد مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوتِ حاجت رکوع کے بعد ہے، اس میں ان سے کوئی اختلاف مروی نہیں ہے اور قنوتِ حاجت کے علاوہ میں ان سے صحیح اور ثابت شدہ روایت یہ ہے کہ رکوع سے قبل ہے، اور اس میں صحابہ کا عمل مختلف ہے اور بظاہر یہ جائز اختلاف میں سے ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولا يمكن حمل القبليّة فى قوله هذا إلا على قنوت الوتر كما لا يخفى على من تتبّع مجموع روايات أنس المتقدمة (۲۰)

انس کے اس قول میں قنوتِ قبلیہ کو قنوتِ وتر کے سوا کسی اور قنوت پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ بات انس کی تمام روایتوں کو جمع کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

علامہ حسین عوایشہ اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں: قد نفى أنس بن مالك أن يكون القنوت بعد الركوع، فهذا يُفْهِم أن قنوت الوتر يفعل قبل الركوع، أما بعد الركوع فإنما هو قنوت النازلة، حين الدعاء على أحد (۲۱)

انس بن مالک نے قنوت کے رکوع کے بعد ہونے کی نفی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوتِ وتر رکوع سے قبل پڑھی جائے گی، اور جب کسی پر بدعا کرنی ہو تو رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی جائے گی۔

-حسن بن علی نے فرمایا: علمنى رسول الله ﷺ أن أقول إذا فرغت من قراء تى فى الوتر. (۲۲)

اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے سکھایا کہ میں وتر میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھوں: اللهم اهدنى...۔

-علقمہ سے مروی ہے: أن ابن مسعود وأصحاب النبى ﷺ كانوا يقنتون فى الوتر قبل الركوع (۲۳)

عبداللہ بن مسعود اور صحابہ کرام وتر میں رکوع سے قبل قنوت

پڑھتے تھے۔

اس اثر کی سند حسن ہے اور قنوت قبل الرکوع کے لیے صریح روایت ہے۔

-عبدالرحمٰن بن اسود روایت کرتے ہیں اپنے والد اسود بن یزید سے، انہوں نے کہا:كان ابن مسعود رضي اللّٰه عنه لا يقنت فى شىء من الصلوات إلا الوتر فإنه كان يقنت قبل الركعة (۲۴)

عبداللہ بن مسعود کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے سوائے وتر کے، اس میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

تیسرا قول: ابن منذر رحمہ اللہ نے انس بن مالک، ایوب سختیانی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ دعائے قنوت میں مصلی کو اختیار ہے کہ چاہے تو رکوع سے قبل پڑھے یا رکوع کے بعد (۲۵)۔

ان لوگوں نے دونوں طرح کی روایتوں میں جمع کرتے ہوئے کہا کہ رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد دونوں صورتیں جائز ہیں مگر بعد الرکوع اولی ہے۔ یہی حنابلہ، سلف کی ایک جماعت، فقہائے اہل حدیث کا قول ہے اور اسی کو ابن تیمیہ، ابن عثیمین اور محمد بن علی ولوی (۲۶) رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: القنوت فى الفجر بعد الركوع، وفى الوتر يختار بعد الركوع، ومن قنت قبل الرّكوع فلا بأس لفعل الصحابة واختلافهم، فأمّا فى الفجر فبعد الركوع (۲۷)

فجر میں قنوت رکوع کے بعد ہے اور وتر میں بھی اولی وبہتر ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی جائے اور جس نے وتر میں رکوع سے قبل قنوت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ایسا صحابہ نے کیا ہے اور ان کا اس میں اختلاف بھی ہے لیکن فجر میں رکوع کے بعد ہی قنوت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مِن الناس مَن لا يراه إلا قبله، ومنهم مَن لا يراه إلا بعده، وأما فقهاء الحديث كأحمد وغيره فيجوزون كلا الأمرين لمجيء السنة الصحيحة بهما، وإن اختاروا القنوت بعده؛ لأنه أكثر وأقيس (۲۸)

بعض اہل علم کے نزدیک قنوت صرف قبل الرکوع، اور بعض کے نزدیک صرف بعد الرکوع، اور فقہائے اہل حدیث جیسے احمد وغیرہ کے نزدیک دونوں طریقے جائز ہیں، کیونکہ دونوں کے لیے صحیح سنت وارد ہے، اگرچہ ان لوگوں نے بعد الرکوع کو اختیار کیا ہے کیوں کہ یہی اکثر روایتوں میں وارد اور قیاس کے زیادہ قریب ہے۔

راجح: اس مسئلہ میں اولی اور بہتر یہ ہے کہ دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کا یہی عمل رہا ہے، لیکن رکوع کے بعد پڑھنا بھی جائز ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما القنوت فى الوتر قبل الركوع: لأنه ثبت ذلك عن النبى ﷺ من حديث أبى بن كعب فى سنن النسائى وغيره، ومع هذا الذى بينته بأن القنوت فى الوتر قبل الركوع

ويجوز جعله أيضًا بعدالركوع؛ لأنه ثبت ذلك عن بعض السلف.فالمسلم القانت مخيّر بين أن يقنت قبل الركوع، وهذا أحب إلينا؛ لأنه ثابت عن نبينا، وله أن يقنت بعد الركوع، وهو جائز لدينا؛ لأنه ثابت عن بعض سلفنا(۲۹)

وتر کے اندر قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی کیونکہ سنن نسائی وغیرہ میں ابی بن کعب کی حدیث میں نبی کریم ﷺ سے یہی ثابت ہے، اور وتر میں قنوت قبل الرکوع افضل ہونے کے باوجود رکوع کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ بعض اسلاف سے ثابت ہے لہذا ایک مسلمان کو اختیار ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھے اور یہ میرے نزدیک محبوب ہے اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے اور چاہے تو رکوع کے بعد پڑھے یہ بھی جائز ہے کیوں کہ بعض سلف سے ثابت ہے۔

شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مزید تتبع وتفتیش سے میرے نزدیک ثابت ہوا کہ قنوت قبل الرکوع فی الوتر اولی ہے قنوت بعد الرکوع سے(۳۰)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

يجوز القنوت فى الوتر قبل الركوع وبعده. والأولى عندى أن يكون قبل الركوع لكثرة الأحاديث فى ذلك، وبعضها جيد الإسناد، ولا حاجة إلى قياس قنوت الوتر على قنوت الصبح مع وجود الأحاديث المروية فى الوتر من الطرق المصرّحة بكون القنوت فيه قبل الركوع(۳۱)

نمازِ وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے قراءت کے بعد اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دونوں جائز ہے لیکن رکوع سے پہلے اولی اور بہتر ہے، کیونکہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں جن میں سے بعض حسن ہیں اور قنوتِ وتر کو قنوتِ صبح پر قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ قنوتِ وتر قبل الرکوع کے بارے میں صراحت کے ساتھ روایتیں موجود ہیں۔

قنوت وتر سے پہلے تکبیر کہنے کا حکم:

کیا وتر کی آخری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے اللہ اکبر کہنا چاہیے یا نہیں؟

اس بارے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے کچھ ثابت نہیں ہے اور علی بن ابی طالب کی یہ روایت أنه كان يفتتح القنوت بالتكبير(۳۲) (وہ قنوت سے پہلے تکبیر کہتے تھے) ثابت نہیں ہے اس کی سند میں حارث الاعور مشہور ضعیف راوی ہے(۳۳)۔

لیکن بعض تابعین سے ثابت ہے کہ وہ قنوت سے قبل تکبیر کہتے تھے چنانچہ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:إذا أردت أن تقنت فكبّر للقنوت، وكبّر إذا أردت أن تركع "وفى رواية: "إذا فرغت من القراءة فكبّر ثمّ إذا فرغت فكبّر واركع(۳۴)

جب تم قنوت کا ارادہ کرو تو اس کے لیے تکبیر کہو اور رکوع کرنے لگو تو پھر تکبیر کہو اور ایک روایت میں ہے کہ جب

تم قراءت سے فارغ ہوجاؤ تو تکبیر کہو پھر جب قنوت سے فارغ ہوجاؤ تو تکبیر کہہ کر رکوع میں جاؤ۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: كانوا يستحبّون إذا فرغ من القراء ة فی الركعة الثالثة من الوتر أن يكبّر ثمّ يقنت (۳۵)

لوگ مستحب سمجھتے تھے کہ وتر پڑھنے والا جب تیسری رکعت کی قراءت سے فارغ ہوتو تکبیر کہے پھر قنوت پڑھے۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: إذا كان يقنت قبل الركوع افتتح القنوت بتكبيرة (۳۶)

جب رکوع سے قبل قنوت کرے تو اس کا آغاز تکبیر سے کرے۔

ابن ابی عمر کہتے ہیں: إذا قنت قبل الركوع كبَّر ثمّ أخذ فی القنوت، ولا نعلم فيه مخالفًا (۳۷)

جب نمازی رکوع سے قبل قنوت پڑھے تو قنوت سے پہلے تکبیر کہے، ہم اس میں کسی کی مخالفت نہیں جانتے ہیں۔

اسی طرح عمر بن الخطاب اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے فجر کی نماز میں قراءت کے بعد رکوع سے قبل اور قنوت نازلہ سے پہلے تکبیر کہنا ثابت ہے۔

طارق بن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: أنه صلى خلف عمر بن الخطاب الفجر، فلما فرغ من القراء ة كبر ثم قنت، ثم كبر، ثم ركع (۳۸)

انہوں نے عمر بن الخطاب کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، جب آپ قراءت سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا پھر دعائے قنوت پڑھی، پھر اللہ اکبر کہا پھر رکوع کیا۔

ابوالجہم مولی البراء کہتے ہیں: أنه قنت فی الفجر فكبر حين فرغ من القراء ة ثم كبر حين فرغ من القنوت (۳۹)

براء بن عازب نے فجر میں قنوت پڑھی، چنانچہ جب وہ قراءت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور جب دعائے قنوت سے فارغ ہوئے اس وقت بھی تکبیر کہی۔

شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض صحابہ سے دعائے قنوت کے وقت اللہ اکبر کہنا اور دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے (۴۰)۔

ان روایات واقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کی صورت میں قنوت سے پہلے اللہ اکبر کہنا بعض اسلاف سے ثابت ہے۔

حواشی:

(۱) الاذکار، نووی (ص:۱۶۶)۔

(۲) دیکھئے: الاوسط، ابن منذر (۲۰۹/۵)۔

(۳) دیکھئے: الام (۱۶۸/۱)، الاقناع، ماوردی (ص: ۴۰)۔

(۴) مسائل الامام احمد - روایۃ ابنہ عبداللہ (ص: ۹۰)، المغنی، ابن قدامہ (۵۸۱/۲)۔

(۵) دیکھئے: کتاب الوتر (ص:۳۱۸)۔

(۶) صحیح ابن خزیمہ (۱/ ۵۴۷/ رقم ۱۱۰۰) واللفظ لہ، صحیح البخاری (۴۵/۳ رقم ۲۰۱۰) باختصار، قنوت کے ذکر کے بغیر۔

(۷) قیام رمضان: فضلہ وکیفیۃ ادائہ .. (ص:۳۱)

(۸) صحیح البخاری (۳۸/۶، رقم ۴۵۶۰)۔

(۹) صحیح البخاری (۲۶/۲، رقم۱۰۰۱)، صحیح مسلم (۴۶۸/۱، رقم۶۷۷)، واللفظ لہ۔
(۱۰) صحیح البخاری (۱۰۵/۵، رقم۴۰۸۹)، صحیح مسلم (۱/ ۴۶۸، رقم۶۷۷)، واللفظ لہ۔
(۱۱) الاشراف (۲۷۲/۲-۲۸۳)۔
(۱۲) المصنف (۵۲۳/۴)۔
(۱۳) شرح السنہ، بغوی (۱۲۶/۳)۔ امام مالک رحمہ اللہ وتر میں صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت کے قائل تھے۔ الأم (۱۵۶/۱)۔
(۱۴) الحجۃ علی اہل المدینہ (۱/ ۲۰۰)، التجرید، قدروی (۸۱۳/۲)۔
(۱۵) دیکھئے: شرح السنہ، بغوی (۱۲۶/۳)۔
(۱۶) سنن النسائی (رقم۱۶۹۹)، سنن ابن ماجہ (۲۵۵/۲ رقم ۱۱۸۲)، شرح مشکل الآثار (۳۶۸/۱۱، ۳۷۱ رقم۴۵۰۱، ۴۵۰۳)، مسند الشاشی (۳۲۴/۳ رقم ۱۴۳۲)، سنن الدارقطنی (۲۵۴/۲، ۲۵۵، رقم۱۶۵۹، ۱۶۶۰)، سنن کبری، بیہقی (۴۵۷/۵ رقم ۴۹۲۴، ۴۹۲۵)، الوتر، محمد بن نصر (ص:۳۱۳)، مختصر الطّوسی (۱۲۳۰/۲) احادیث المختارہ، ضیاء مقدسی (۴۲۰/۳، ۴۲۲، رقم ۱۲۱۷، ۲۱۲۱) سبھی لوگوں نے ابی بن کعب کی حدیث سے روایت کیا ہے۔
اس میں موجود میں موجود لفظ: "ویقنت قبل الرکوع" کی زیادتی پر ابوداود وغیرہ نے کلام کیا ہے مگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: الارواء (۱۶۷/۲)۔
شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابوداود کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: وهذا الإعلال ليس بشيء ؛ لاتفاق الجماعة من الثقات على رواية هذه الزيادة، فهي مقبولة .ولذلك صحح الحديث غير واحد من العلماء ، ومن أعله فلا حجة له.
اس تعلیل کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ ثقہ راویوں کی ایک جماعت اس زیادتی کو روایت کرنے پر متفق ہے لہٰذا قابل قبول ہے۔ اس لیے متعدد علما نے اسے صحیح کہا ہے اور معلول قرار دینے والوں کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔
مزید یہ کہ اس حدیث کے لیے بعض شواہد بھی موجود ہیں، جیسے:
-عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت:
ابونعیم نے الحلیہ (۶۲/۵) میں عطا بن مسلم کے طریق سے روایت کیا ہے، انہوں نے علا بن مسیّب سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم ﷺ نے وتر کی نماز تین رکعت پڑھی اور رکوع سے پہلے قنوت کیا۔ ابونعیم کہتے ہیں: یہ روایت حبیب اور علا کے طریق سے غریب ہے، اسے روایت کرنے میں عطا بن مسلم منفرد ہے۔
حبیب ثقہ مدلس ہیں اور عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور عطاء ضعیف ہے لیکن متابعات وشواہد میں قابل اعتبار ہے۔ دیکھئے: جامع التحصیل (ص: ۱۵۸)، تحریر تقریب التہذیب (۱۶/۳)۔
-عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:
طبرانی نے المعجم الاوسط (۳۶/۸ رقم ۷۸۸۵) میں روایت کیا ہے سہل بن سعد ترمذی کے طریق سے، انہوں

نے سعید بن سالم قداح سے، وہ عبید اللہ بن عمر سے، وہ نافع سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ اللہ کے رسول ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت کرتے تھے۔ طبرانی کہتے ہیں: اس حدیث کو عبید اللہ بن عمر سے سعید بن سالم کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا ہے۔ سہل بن سعد ترمذی کو دارقطنی نے چھوڑ دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ دیکھئے: میزان الاعتدال (۲۳۹/۲)۔

(۱۷) زاد المعاد (۳۹۴/۱)۔

(۱۸) صحیح البخاری (۱۰۷/۵ رقم ۴۰۹۶)، واللفظ لہ، صحیح مسلم (۴۶۹/۱ رقم ۶۷۷) نحوہ مختصرًا۔

(۱۹) فتح الباری (۴۹۱/۲)۔

(۲۰) ارواء الغلیل (۱۶۸/۲)۔

(۲۱) الموسوعۃ الفقہیہ المیسرۃ (۱۳۵/۲)۔

(۲۲) اس کی تخریج آگے آرہی ہے۔

(۲۳) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲۴) شرح معانی الآثار (۲۵۳/۱، رقم ۱۵۰۶)، واللفظ لہ، المعجم الکبیر، طبرانی (۲۳۸/۹ رقم ۹۱۶۵، ۹۱۶۶)، اس کی سند صحیح ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۳۷/۲) میں کہا: "إسناده حسن" کہ اس کی سند حسن ہے، ابن حجر نے الدرایۃ (۱۹۳/۱) میں کہا کہ یہ اثر صحیح ہے اور طبرانی کی سند کے بارے میں علامہ البانی نے الارواء: ۱۶۶/۲) میں کہا ہے: "سنده صحيح" کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(۲۵) الاشراف (۲۷۲/۲)، دیکھئے: المغنی، ابن قدامہ (۵۸۲/۲)۔

(۲۶) دیکھئے: الشرح الممتع، ابن عثیمین (۲۰/۴)، ذخیرۃ العقبی (۷۱/۱۸)۔

(۲۷) دیکھئے: تنقیح التحقیق، ابن عبد الہادی (۴۵۲/۲)، زاد المعاد، ابن القیم (۳۲۶/۱)۔

(۲۸) مجموع الفتاوی (۱۰۰/۲۳)۔

(۲۹) جامع تراث العلامہ الالبانی فی الفقہ (۱۹۸/۸)۔

(۳۰) فتاوی شیخ الحدیث (۴۴۹/۱)۔

(۳۱) مرعاۃ المفاتیح (۲۸۷/۴)۔

(۳۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۵۴۵/۴ رقم ۷۲۲۲)، اس کی سند ضعیف ہے۔

(۳۳) دیکھئے: میزان الاعتدال (۴۳۵/۱ رقم ۱۶۲۷)۔

(۳۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۵۲۵/۴، رقم ۷۱۳۳، ۷۱۳۴) اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۵) کتاب الوتر، مروزی (ص: ۳۱۹)۔

(۳۶) مسائل الامام احمد روایۃ ابی داود سجستانی (ص: ۱۰۱)۔

(۳۷) الشرح الکبیر: ۱۳۸/۴)۔

(۳۸) مصنف ابن ابی شیبہ (۵۴۳/۴ رقم ۷۲۱۵)، شرح معانی الآثار (۲۵۰/۱، رقم ۱۴۸۰، ۱۴۸۱) بسند مخارق بن عبد اللہ احمسی، عن طارق بن شہاب، عن عمر رضی اللہ عنہما، اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۹) مصنف عبد الرزاق (۳۸۳/۳ رقم ۵۱۰۱)، مصنف ابن ابی شیبہ (۵۴۴/۴ رقم ۷۲۱۸) بسند سفیان ثوری، عن مطرف بن طریف عن ابی الجہم سلیمان بن الجہم مولی البراء عن البراء بن عازب t، اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۴۰) فتاوی شیخ الحدیث (ص: ۴۴۵)۔

☆☆☆

نذر اور منت کے احکام ومسائل قرآن وسنت کی روشنی میں

عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی

نذر یا نذر ماننا جسے ہم عام زبان میں منت یا منت ماننا کہتے ہیں، ان قدیم عبادتوں میں سے ایک ہے جو تقریبا دنیا کے ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا رہا ہے، اور اسلام میں بھی اس کی اس عبادت والی حیثیت کو برقرار رکھا گیا ہے۔

چنانچہ نصوص شرعیہ میں پہلی امتوں میں اس کے عام رواج کے بارےمیں بہت کچھ مذکور ہے، قرآن مجید میں مریم علیہا السلام کی نذر کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

(فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا) (مریم/26)۔ (پھر اگر تو کوئی آدمی دیکھے تو کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزہ کی نذر مانی ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی) ۔

اسی طرح مریم علیہا الصلاۃ والسلام کی والدہ اور عمران کی بیوی کے سلسلے میں فرماتا ہے:

(اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) (آل عمران/35) (جب عمران کی عورت نے کہا اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد کر کے میں نے تیری نذر کیا سو تو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے)۔

نذر کا معنی:

نذر کہتے ہیں شریعت نے جس چیز کو لازم نہیں کیا ہے اسے کسی کام کی بنا پر خود پر لازم اور ضروری کر لینا۔ جیسے کسی کے اوپر صدقہ واجب نہیں ہے لیکن وہ یہ کہہ کر اسے اپنے اوپر لازم اور واجب کر لیتا ہے کہ اگر اس کا فلاں کام ہو گیا تو اتنی نقد یا کوئی چیز اللہ کے راستے میں صدقہ کریگا۔

نذر کے کلمات:

نذر ماننے کے لئے حسب حال مختلف کلمات ہو سکتے ہیں مثلا: اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اتنے دنوں کا روزہ رکھوں گا یا اللہ کے راستے میں صدقہ کروں گا، میں نے اپنے اس کام کے پورا ہونے کے عوض فلاں عمل کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نذر ماننے کی نیت ہو، کیونکہ نیک اعمال کا دارومدار، جیسا کہ احادیث کے نصوص میں مذکور ہے نیت پر ہے۔

نذر ماننے کا حکم:

نذر کا اصل حکم یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ بلکہ بعض اہل علم تو اس کی تحریم (حرمت) کی طرف بھی مائل ہوئے ہیں کیونکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ساری روایتوں میں نذر ماننے کی ممانعت آئی ہے، جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لا تَنْذِرُوا، فإنَّ النَّذْرَ لا يُغْنِي مِنَ القَدَرِ

شيئًا، وإنَّما يُستَخرَجُ به مِنَ البَخِيل'' نذر مت مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر سے نہیں پھیرتی صرف بخیل سے مال جدا ہوتا ہے۔(صحیح مسلم/1640)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''لا يَأْتي ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بشيءٍ لَمْ يَكُنْ قُدِّرَ له، ولَكِنْ يُلْقِيهِ النَّذْرُ إلى القَدَرِ قدْ قُدِّرَ له، فَيَسْتَخْرِجُ اللَّهُ به مِنَ البَخِيلِ، فيُؤْتي عليه ما لَمْ يَكُنْ يُؤْتي عليه مِن قَبْلُ''نذر انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں دیتی جو اس کے مقدر میں نہ ہو، البتہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بخیل سے اس کا مال نکلواتا ہے اور اس طرح وہ چیزیں صدقہ کر دیتا ہے جس کی اس سے پہلے اس کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔(صحیح بخاری/6694)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نذر ماننے سے روک رہے تھے اور فرمارہے تھے:''إنَّه لا يَرُدُّ شيئًا، وإنَّما يُستَخرَجُ به مِنَ الشَّحِيحِ''وہ کسی (مقدر) چیز کو واپس نہیں کرسکتی، البتہ اس کے ذریعہ بخیل کا مال نکالا جا سکتا ہے۔(صحیح بخاری/6693، صحیح مسلم/1639)۔

نذر کی صحت کے لئے شرط:

نذر کی صحت کیلئے عاقل، بالغ اور بااختیار ہونا شرط ہے، نذر ماننے والا گرچہ کافر ہو، کیونکہ کافر کی نذر صحیح ہے لیکن اس سے نذر پوری کرنے کا مطالبہ اس کے اسلام لانے کے بعد ہی کیا جائیگا۔

نذر کی قسمیں:

نذر کی دو قسمیں ہیں: نذر ممدوح اور نذر ممنوع۔

ممدوح یا جائز نذر:

طاعت ونیکی کی نذر ماننا کہ اس کی وجہ سے آدمی کے اندر طاعت ونیکی سے متعلق جو سستی وکاہلی ہے دور ہو سکے اور وہ اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کر سکے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''فأوفِ بِنَذرِك'' اپنی نذر کو پورا کرو۔(صحیح بخاری/2032، صحیح مسلم/1656)۔

ممنوع نذر:

جیسے کوئی آدمی کوئی نذر مان کر ہی طاعت اور نیکیوں کو انجام دیتا ہے اگر کوئی کام نہیں ہوتا تو نیکی سے دور ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات نذر ماننے والے نے جس چیز کی نذر مانی ہے بوجھل من سے اسے انجام دیتا ہے۔

یا معصیت وگناہ کے ارتکاب کی نذر مانے یا اسی طرح ایسے اعمال کی انجام دہی کی نذر مانے جس سے شرک اور بدعت کو انجام دیا جائے یا اس سے ان کو رواج دیا جائے۔

اور بسا اوقات آدمی ایسی چیز کی نذر مان لیتا ہے جو اس کے اوپر مشقت اور پریشانی کا سبب بنے، انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کا سہارا لیے چل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان صاحب کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے کعبہ تک پیدل چلنے کی منت مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''إنَّ اللهَ لَغَنيٌّ عن تعذيبِه نفْسَه، فلْيَرْكَبْ'' اللہ تعالیٰ اس سے بے

نیاز ہے کہ یہ اپنے کو تکلیف میں ڈالیں وہ سوار ہوکر جائیں۔ (صحیح بخاری/ 1865، صحیح مسلم/ 1642)۔

باعتبار احکام جن چیزوں کی نذر مانی جائے:

جن چیزوں کی نذر مانی جاتی ہے وہ حکم کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، جیسے:

اول: وجوب کی نذر: اگر کوئی ایسی عبادت یا عمل کی نذر مانتا ہے جو پہلے سے اس پر واجب ہے تو ایسی نذر صحیح نہیں ہے، جیسے کوئی پانچ وقت کی نمازوں کی نذر مانے یا رمضان کے ایک ماہ کے روزے کی یا واجب زکاۃ کی یا والدین کی خدمت وغیرہ کی تو اس قسم کی نذر صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ امور پہلے سے اس پر فرض ہیں۔

دوم: مندوب ومستحب کی نذر: اگر کوئی ایسے امور کی نذر مانتا ہے تو یہ صحیح ہے جیسے اگر اس کا یہ کام ہوگیا تو اللہ کے لئے نفلی روزے رکھے گا یا اللہ کے راستے میں صدقہ کرے گا یا کوئی بھی نیکی کا کام کرے گا جو اس کے اوپر پہلے سے واجب یا فرض نہیں ہے۔

سوم: حرام ومعصیت کی نذر: اگر کوئی ایسی چیز کی نذر مانتا ہے جو معصیت وگناہ کا کام ہے یا حرام کی قبیل سے ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

باعتبار صفت نذر کی قسمیں:

اول: نذر انشائی یا نذر مطلق، جیسے کوئی کہے: میں ایک بکری ذبح کرکے غریبوں اور محتاجوں کو کھلانے کی نذر مانتا ہوں یا یہ کہے کہ اللہ کے لئے میں ایک ماہ روزے رکھنے کی یا اتنا صدقہ کرنے کی نذر مانتا ہوں وغیرہ۔ اللہ تعالی نے اسی طرح کی نذر پوری کرنے والے کی مدح کی ہے۔

دوم: نذر معلق یا نذر مقید: اس کا مطلب یہ ہے کہ نذر ماننے والا اپنی مصلحت کے حساب سے اپنی نذر کو مقید کرے، جیسے کہے: اگر مجھے اللہ تعالی نے اس بیماری سے شفا دیدیا تو میں فلاں نیک کام کروں گا یا اسی طرح تجارت میں ایسی کامیابی مل گئی یا امتحان میں پاس ہوگیا وغیرہ وغیرہ تو میں یہ نیک کام کروں گا۔ اسی کو مکروہ نذر کہتے ہیں۔

مبہم نذر:

عموما نذر ماننے والے کی نیت کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں: اول: نذر تبّرر اور نذر لجاج۔ نذر تبرر اس نذر کو کہتے ہیں جو برار اور نیکی کے قصد سے مانی جائے اور جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مطلوب ہو، نذر لجاج کا مطلب ہوتا ہے وہ نذر جس سے تبرر اور تقرب مقصود نہ ہو جیسے: آدمی غصے کی حالت میں، یا مبہم نذر مانے مقصد کسی کو کسی کام سے یا خود کو کسی کام سے روکنا ہو۔

جس چیز کی نذر مانی جائے اس کی قسمیں:

اس کی مختلف قسمیں ہیں:

- جس چیز کی نذر مانی جائے وہ چیز اس کے اوپر پہلے سے واجب نہ ہو۔
- جس چیز کی نذر مانی جائے وہ عبادت مقصودہ ہو۔
- جس چیز کی نذر مانی جائے اس کا وجود ممکن ہو۔ اگر غیر متصور یا غیر ممکن چیز کی نذر مانتا ہے تو وہ واقع نہیں ہوگی۔ جیسے کسی نے نذر مانی کہ میرا یہ کام ہوگیا تو رات میں روزہ رکھوں گا، اسی طرح عورت نذر مانے کہ یہ کام ہوگیا تو ایام حیض میں روزہ رکھوں گی وغیرہ کیونکہ روزہ رات کا نہیں ہوتا اور نہ ہی حیض کی حالت میں جائز ہے۔

نذر پوری کرنے والے کی فضیلت:

نصوص احادیث میں گرچہ نذر ماننے کی ممانعت آئی

ہے لیکن اگر کسی نے خیر اور اطاعت کی نذر مانی ہے تو اس کو پوری کرنے کی قرآن وسنت میں بڑی فضیلت آئی ہے، اللہ تعالی نیک لوگوں کی صفات وخصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

(يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا) (الانسان:7)، (وہ (نیک لوگ) اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی مصیبت ہر جگہ پھیلی ہوئی ہوگی) ۔

اور ایک دوسری جگہ حج سے متعلق امور کو انجام دینے سے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

(ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ) (الحج:29) (پھر چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر کا طواف کریں)۔

اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' خیرکم قرنی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم، ثم یجیء قوم یَنذِرون ولا یوفُون، ویخونون ولا یُؤتَمنون، ویشْهَدون ولا یُستَشْهدون، ویظهر فیهم السِّمَن '' تم میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد ان کا جو اس کے قریب ہوں گے۔ اس کے بعد وہ جو اس سے قریب ہوں گے۔ عمران نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو کا ذکر کیا تھا یا تین کا (فرمایا کہ) پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو نذر مانے گی اور اسے پورا نہیں کرے گی، خیانت کرے گی اور ان پر اعتماد نہیں رہے گا۔ وہ گواہی دینے کے لیے تیار رہیں گے جب کہ ان سے گواہی کے لیے کہا بھی نہیں جائے گا اور ان میں مٹاپا عام ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری/ 6695، صحیح مسلم/ 2535) ۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میری بہن نے نذر مانی کہ وہ بیت اللہ تک ننگے پاؤں جائے گی۔ تو انہوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کا حکم دیا، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔

(صحیح بخاری/ 1866، صحیح مسلم/ 1644) ۔

نذر کے وجوب کے لئے نیت کے ساتھ تلفظ لازم ہے:

امام نووی اور دیگر علماء سلف نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے صرف دل میں نذر کا عزم کیا ہے تو وہ کافی نہیں ہے بلکہ منہ سے اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی صرف اشارہ سے نذر مانتا ہے تو وہ بھی واقع نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی گونگا ہو اور اس کا اشارہ معلوم اور مفہوم ہو۔

معصیت اور غیر ملکیت والی چیز کی نذر:

اگر کسی نے معصیت اور گناہ کے کام کرنے کی نذر مانی ہے جیسے شراب پینے کی، قبروں کا طواف کرنے کی، غیر اللہ کیلئے ذبح یا چڑھاوے کی، یا کسی بھی طرح کے شرک وبدعت اور معصیت وگناہ کی تو وہ اسے پوری نہیں کریگا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلا يَعْصِهِ'' جس نے

اس کی نذر مانی ہو کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اطاعت کرنی چاہئے لیکن جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہو اسے نہ کرنی چاہئے۔ (صحیح بخاری/ 6696)۔

ایک ساتھ معصیت واطاعت والی مخلوط نذر:

اگر کسی نے ایسے اعمال کی نذر مانی ہے جس کے اندر معصیت اور اطاعت کے دونوں اعمال پائے جاتے ہوں تو اس کے اوپر واجب ہے کہ نیک اعمال انجام دیگا اور معصیت کے کام نہیں کریگا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کو کھڑے دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل نامی ہیں۔ انہوں نے نذر مانی ہے کہ کھڑے ہی رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں، نہ کسی چیز کے سایہ میں بیٹھیں گے اور نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ، وَلْيَسْتَظِلَّ، وَلْيَقْعُدْ، وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ'' ان سے کہو کہ بات کریں، سایہ کے نیچے بیٹھیں اور اپنا روزہ پورا کرلیں۔ (صحیح بخاری/ 6704، سنن ابی داود/ 3300 وسنن ابن ماجۃ/ 2136)۔

صحیح مسلم کے اندر عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت ہے جس میں ہے کہ: انصار کی ایک عورت قید کرلی گئی اور عضبا بھی قید ہوگئی پھر اسے باندھ دیا گیا۔ اور کافر اپنے جانوروں کو اپنے گھروں کے سامنے آرام دے رہے تھے، وہ ایک رات بندھک سے بھاگ نکلی اور اونٹوں کے پاس آئی جس اونٹ کے پاس جاتی وہ آواز کرتا وہ اس کو چھوڑ دیتی یہاں تک کہ عضبا کے پاس آئی اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئی۔ اور اسے ڈانٹا تو وہ چلنے لگی کافروں کو اس کی خبر ہوگئی وہ (اپنی اپنی اونٹنی پر سوار ہو کے) عضبا کے پیچھے چلے لیکن عضبا نے ان کو تھکا دیا۔ (یعنی عضبا ایسی تیز رو تھی کہ کوئی اسے پکڑ نہ سکا) اس عورت نے اللہ کی نذر مانی کہ اگر عضبا مجھے بچا لے جائے تو میں اس کی قربانی کروں گی۔ جب وہ عورت مدینہ میں آئی اور لوگوں نے دیکھا تو کہا: یہ تو عضبا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی۔ وہ عورت بولی: میں نے نذر کی ہے اگر عضبا پر اللہ تعالیٰ مجھے نجات دے تو اس کو نحر کروں گی۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا: ''سبحان اللہ! اس عورت نے عضبا کو کیا برا بدلہ دیا (یعنی عضبا نے تو اس کی جان بچائی اور وہ عضبا کی جان لینا چاہتی ہے) کہ اس نے نذر کی کہ اگر اللہ تعالیٰ عضبا کی پیٹھ پر اس کو نجات دے تو وہ عضبا ہی کی قربانی کرے گی۔'' ''لا وَفاءَ لنَذرٍ فی معصيةٍ، ولا فيما لا يَملِكُ العبدُ'' جو نذر گناہ کے لیے کی جائے وہ پوری نہ کی جائے اور نہ وہ نذر جس کا انسان مالک نہیں۔ (صحیح مسلم/ 1641)۔

چنانچہ نذر انہیں چیزوں کی ماننی چاہئے جن سے اللہ کی رضا مقصود ہو، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وَلَا نَذْرَ إِلَّا فِيمَا ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى ذِكْرُهُ'' وہی نذر ماننا درست ہے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ (سنن ابی داود/ 2192، 3273 علامہ البانی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے)۔

نذر کو مشیئت الٰہی سے معلق کرنا:

اگر کسی نے اپنی نذر کو اللہ کی مشیئت سے مشروط کر دیا جیسے کہے: اگر اللہ تعالی نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا تو قسم کی طرح اگر اس نذر کو معلق کرنے کی نیت ہے تو اس نذر کو پوری کرنا اس کے اوپر واجب نہیں ہے، لیکن اگر اس کی نیت تحقیق اور تاکید کی ہے اور طاعت کی نذر ہے تو نیت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے اوپر نذر پوری کرنا ضروری ہے۔

غیر اللہ کے لیے نذر ومنت:

غیر اللہ کے لئے نذر ماننا شرک ہے: جیسے کوئی یوں کہے کہ: فلاں کے نام کی مجھ پر نذر ہے، یا اس قبر کے لیے میری منت ہے، یا جبرئیل علیہ السلام کے لیے میری نذر ہے اور اس کے ذریعے سے وہ ان کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یا یہ کہے کہ میرا یہ کام ہو گیا تو فلاں مزار کی زیارت کروں گا یا اس پر نیاز چڑھاؤں گا یا وہاں سجدے کروں گا یا وہاں بکرے ذبح کروں گا، وغیرہ۔

کیونکہ جس کے نام کی نذر مانی گئی ہے یہ اس کی عبادت ہے۔ اور عبادت اللہ تعالی کے سوا کسی کے لیے ادا کرنا شرک اور عظیم معصیت اور باری تعالی کے ساتھ ظلم عظیم ہے اور بلا شبہ وہ شخص مشرک ہوا۔ چنانچہ اس طرح غیر اللہ کی نذر مطلقاً ہی منعقد نہیں ہوتی۔ اس میں کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا، بلکہ یہ واضح شرک ہے جس سے توبہ واجب ہے۔ جیسا کہ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا ہے۔ وہ منعقد نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس کا کفارہ ہوتا ہے۔ برخلاف معصیت اور نافرمانی کی نذر کے وہ منعقد تو ہوتی ہے لیکن اس سے وفاء کرنا (یعنی اسے پورا کرنا) جائز نہیں۔ اور اس کے ذمے قسم والا کفارہ ہے۔ جیسا کہ کوئی اللہ کی قسم کسی حرام بات پر کھالے تو وہ منعقد ہو جاتی ہے، اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

روزہ کی نذر مانی اور اس دن عید پڑ جائے:

اگر کسی نے کسی مخصوص دن میں روزہ کی نذر مانی اور وہ دن عید کا پڑ جائے تو وہ اس دن کا روزہ نہیں رکھے گا۔ زیاد بن جبیر کہتے ہیں کہ: میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ ہر منگل یا بدھ کے دن روزہ رکھوں گا۔ اتفاق سے اسی دن بقر عید پڑ گئی ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں بقر عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس شخص نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو آپ نے پھر اس سے صرف اتنی ہی بات کہی اس پر کوئی زیادتی نہیں کی۔

(صحیح بخاری/ 1994، 6706 وصحیح مسلم/ 1139)۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ عورت بھی اپنی نذر پوری نہیں کرے گی جس کی نذر کے دن میں ممنوع ایام جیسے حیض اور نفاس کے دن پڑ جائیں۔

نذر کا کفارہ:

اگر کسی وجہ سے کوئی اپنی نذر پوری نہ کر سکے تو اس کے اوپر اس کا کفارہ واجب ہے اور نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''كفارة النذر كفارة اليمين'' نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم/ 1645، ابوداود/ 3323)

یعنی دس مسکین کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک

غلام آزاد کرنا اور اگر ان سب کی استطاعت نہیں ہے تو تین دنوں کے روزے رکھنا۔(سورۃ المائدہ/ 89)۔

کسی نے اگر مبہم یا لجاج یا بحالت غصہ نذر مانی ہو جس سے تبرر اور تقرب الی اللہ مقصود نہ تو اگر اس نے کسی چیز کو لازم کیا ہے تو اسے پوری کرنے یا اس کا کفارہ دینے کے درمیان اختیار ہے، سلف کی ایک جماعت، حنابلہ ،شافعیہ کا ظاہری قول، امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم کا یہی موقف ہے (دیکھئے : روضۃ الطالبین للنووی: 3/294، الانصاف للمرداوی: 11/90، المغنی لابن قدامۃ 9/505، الفتاوی الکبری لابن تیمیہ 4/110، اعلام الموقعین 2/87)۔

اور یہی قول عصر حاضر میں امام ابن باز اور علامہ ابن العثیمین کا بھی ہے (دیکھئے: مجموع فتاوی ابن باز 22/33 مجموع فتاوی ورسائل ابن العثیمین 9/232)۔

کیونکہ جب اس نے اس نذر سے اللہ کا تقرب یا نذر حقیقی مراد نہیں لیا ہے تو شریعت نے اسے اس کا مکلّف بھی نہیں کیا ہے چنانچہ یہ محض یمین اور قسم ہوا جس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔واللہ اعلم۔

ماں باپ کی نذر پوری کرنا:

اگر کسی نے خیر کے کام کرنے کی نذر مانی ہے اور اسے پوری نہیں کر پایا ہے اور اس سے پہلے ہی اس کی وفات ہوگئی تو اس کے وارثین اسے پوری کریں گے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میری والدہ حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکی اور اس کا انتقال ہوگیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس کی طرف سے تو حج کرلے۔کیا تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اسے ادا نہ کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا قرضہ تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔(صحیح بخاری/ 1852)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میری بہن نذر مانی تھیں کہ حج کریں گی لیکن اب ان کا انتقال ہو چکا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟ انہوں نے عرض کی ضرور ادا کرتے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ کا قرض بھی ادا کرو کیونکہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا قرض پورا ادا کیا جائے۔(صحیح بخاری/ 6699)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی :اے اللہ کے رسول ! میری ماں مرگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں۔کیا میں اس کی قضا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم ادا کرتے یا نہیں؟- اس نے کہا :ہاں ادا کرتا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : پھر اللہ کا قرض تو ضرور ادا کرنا چاہیے۔(صحیح بخاری/ 6959، صحیح مسلم/ 1148)۔اس معنی کی ڈھیروں روایتیں ہیں۔

کسی نے کسی جگہ میں جانور ذبح کرنے کی نذر مانی:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا:

اللہ کے رسول ! میں نے نذر مانی ہے کہ میں آپ کے سر پر دف بجاؤں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بجا کر) اپنی نذر پوری کرلو، اس نے کہا: میں نے ایسی ایسی جگہ قربانی کرنے کی نذر (بھی) مانی ہے جہاں جاہلیت کے زمانہ کے لوگ ذبح کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا کسی صنم (بت) کے لیے؟ اس نے کہا: : نہیں، پوچھا: کسی وثن (بت) کے لیے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرلو۔ (سنن ابی داود/ 3312، علامہ البانی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)۔

اسی طرح ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ (ینبع کے نزدیک ایک جگہ) میں اونٹ ذبح کرے گا تو وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت وہاں تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ لوگوں نے کہا : نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کفار کی عیدوں میں سے کوئی عید وہاں منائی جاتی تھی، لوگوں نے کہا: نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرلو البتہ گناہ کی نذر پوری کرنا جائز نہیں اور نہ اس چیز میں نذر ہے جس کا آدمی مالک نہیں۔ (ابوداود/ 3313، طبرانی / 1341، بیہقی / 20634، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)۔

نذر اور عقیدہ کی حفاظت:

نذر مانتے وقت اس بات کا خیال ضروری ہے کہ اس سے اس کے عقیدہ پر کوئی ضرب نہ پڑے، کیونکہ ڈھیروں مواقع ایسے ہیں کہ نذر ماننے کے وقت آدمی کا عقیدہ متزلزل ہوجاتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نذر ماننے والے کے اندر جاہلی عقیدہ پیدا ہوجاتا ہے کہ اس کا یہ کام اس کی نذر ماننے کی وجہ سے ہی پورا ہوا ہے یا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نذر سے اس کی تقدیر بدل گئی وغیرہ۔

چنانچہ اس بات کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کی قضاء وقدر میں کوئی چیز تقدیم وتاخیر نہیں کرسکتی اور نہ کسی چیز میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔

نیز نذر مانتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، البتہ اگر اسے مان لیا ہے تو اسے ضرور پوری کرے اور اگر کسی وجہ سے پوری نہیں کرسکتا تو اس کا کفارہ ادا کرے۔

نذر کے مصارف:

اگر کسی نے مال وغیرہ کی نذر مانی ہے تو اس کی نیت کے اعتبار سے اسے صرف کیا جائیگا، جس جگہ یا جس مصرف کیلئے نیت کی ہے اسی میں خرچ کریگا، جیسے فقیروں محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کے اوپر خرچ کرنے کی نیت کی ہے تو وہ خود اس میں سے استعمال نہیں کرسکتا، اور اگر یہ نیت کی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا دوست واحباب پر خرچ کریگا تو وہ خود ان کا ایک جزء ہونیکی وجہ ان کے ساتھ کھا پی سکتا ہے۔

والله هو الموفق لما يحبه ويرضاه.

وصلى الله على نبينا محمد.

☆☆

اخلاقی تعلیم: اہمیت وضرورت

طارق اسعد
متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ایک صالح معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کی خشت اول اخلاقی تربیت ہے، کوئی بھی سوسائٹی اس وقت تک مہذب نہیں ہوسکتی جب تک اس کے افراد کے اندر اعلی اخلاق اور عمدہ اوصاف نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم کی تعریف اس لیے فرمائی کہ ان کے اندر ایثار اور قربانی کی عظیم صفت تھی، چنانچہ وہ لوگ جب جنگ میں ہوتے اور ان کا سامان ختم ہونے کے قریب ہوتا تو تمام افراد قبیلہ اپنے کھانے کو ایک ساتھ ملا دیا کرتے اور سب اکٹھا ہو کر کھاتے، اس طرح سے کھانے میں برکت بھی ہوا کرتی اور تمام افراد شکم سیر ہو جایا کرتے۔ (بخاری:۴۲۸۶)

قرآن وسنت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے اخلاقی تعلیم پر انتہائی زور دیا ہے اور افراد امت کے تزکیہ وتربیت کی حد درجہ تاکید کی ہے، اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اخلاقی تعلیم قرار دیا، چنانچہ فرماتے ہیں ''**بعثت لأتمم مكارم الأخلاق**'' (مسند احمد، الصحیحہ: ۱/۷۵) یعنی میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مشن یہی تھا کہ شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہو، زنا کاری، شراب نوشی، جوا بازی، قتل و غارت گری، ظلم وفساد جیسی مذموم صفات کا خاتمہ ہو اور ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل ہو جس میں ہر فرد دوسرے سے مطمئن ہو، ایثار وقربانی اور ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ ہو اور تمام افراد معاشرہ سکون کی زندگی گزاریں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر اللہ تعالیٰ کے قول ''**ویزکیھم**'' کی نکتہ آفرینی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**ویزکیھم**، یہ تزکیہ نفس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اگر آپ غور کریں تو دین کا کلی مقصود اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے کہ نفس امارہ رکھنے والی شخصیت کو نفس لوامہ کے مراحل سے گزارتے ہوئے نفس مطمئنہ کے درجے پر کیسے لے جانا ہے؟ یہ قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔''

(مقالات تربیت، مقالہ بعنوان ''علوم نبوت کے طلبہ کی ذمہ داریاں'' از پروفیسر عبدالجبار شاکر، ص:۲۲۵)

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو جب رسالت کے لیے منتخب کیا اور آپ پر اسلام کی نشر واشاعت کی ذمہ داری ڈالی تو اس سے قبل بڑے لطیف انداز میں آپ کی اخلاقی تربیت کی اور آپ کو نہ صرف اعلی اوصاف سے متصف کیا بلکہ ہر قسم کے رذائل، خبائث اور شر وشرر سے محفوظ رکھا، بچپن ہی میں آپ کا سینہ چاک کر کے قلب اطہر کی مکمل صفائی کی گئی، عفت وحیا کا مادہ اس قدر راسخ کیا گیا کہ محض شرمگاہ کھلنے کے تصور سے ہی

آپ بیہوش ہو گئے، کبھی لہو ولعب کی محفلوں تک کا رخ نہیں کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کیا خوب ترجمانی کی ہے: فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے، عاجز و بے درماں افراد کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصائب زمانہ پر لوگوں کی معاونت کرتے ہیں'' (بخاری:۴۹۵۳) آپ کے اخلاق دیکھ کر اہل مکہ آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارتے تھے، اپنے جھگڑوں کا جج Judge بناتے تھے، اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ چنانچہ جب آپ اخلاق کے اس اعلی مرتبت پر پہنچے تو اللہ رب العزت نے آپ کو سرٹیفیکٹ عطا کیا: ''وإنك لعلى خلق عظيم''

مت سہل ہمیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی اخلاقی تربیت کی، انہیں مکارم اخلاق سے متصف کیا، وہی عرب معاشرہ جو کل تک بداخلاقی کے عمیق گڈھے میں گرا ہوا تھا، شراب نوشی اور جوا بازی میں بدمست تھا، ظلم وفساد اس کی فطرت میں داخل تھا، زنا کاری اور بدکاری اس کی گھٹی میں پڑی تھی، یکا یک اس معاشرہ کی کایا پلٹ گئی، پوری سرزمین عرب نور الٰہی کے فیضان سے جگمگا اٹھی، ہر طرف سکھ کی بانسری بجنے لگی، وہی ہاتھ جن سے کل تلک اپنے بھائیوں کے مال چھینے جاتے تھے آج دست ہائے شفقت میں تبدیل ہو گئے، وہ تلواریں جو ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھیں اب مسلمانوں کے دفاع میں استعمال ہونے لگیں، وہ جوش و ولولہ جو ہمیشہ قبیلہ اور باطل کی حمایت میں ٹھاٹھیں مارتا تھا اب حق اور اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں رہنے لگا، وہ معاشرہ جہاں ذات پات اور تمیز بندہ وآقا کی گھناؤنی بیماری رچی بسی تھی اب وہاں شاہ وگدا اور غلام ومالک ایک ہی صف میں نظر آنے لگے۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے

ان تمام تر انقلابی تبدیلیوں پر آپ غور کریں تو اس نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ اس کی ابتدا لوگوں کی اخلاقی تربیت سے ہی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کا تزکیہ کیا، ان کی روحانی تربیت کی، انہیں اعلی اسلامی اخلاق سے متصف کیا، عفو ودرگذر، شرم وحیا، محبت والفت کی تعلیم دی اور حسن اخلاق کے حصول پر ابھارا، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''**إن المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم**'' (ابوداؤد، صححہ الالبانی، الصحیحہ:۱۹۳۲) کہ ایک بندہ مومن محض حسن اخلاق کے سبب روزے دار اور قیام اللیل کرنے والے کے رتبے کو پہنچ جاتا ہے، اسی طرح آپ نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ ''**اكثر ما يدخل الجنة تقوى الله و حسن الخلق**'' (ابن ماجہ:۴۲۴۶، حسنہ الألبانی) جنت میں سب سے زیادہ داخل کرنے والی چیز تقوی اور حسن اخلاق ہے، بلکہ آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''**ما من شيء أثقل في ميزان**

المؤمن يوم القيامة من حسن الخلق ‘‘ (صحیح الجامع الصغیر: ۵۳۰۴) قیام کے دن مومن کے ترازو میں حسن اخلاق سے وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ نیز آپ نے حسن اخلاق سے متصف افراد کو یہ خوشخبری سنائی کہ:

’’**إن أقربكم مني مجلسة يوم القيامة أحسنكم أخلاقا**‘‘ (الصحیحۃ: ۱۱۷۶) قیامت کے روز مجھ سے قریب ترین وہ لوگ ہوں گے جو سب سے زیادہ بااخلاق ہوں گے۔‘‘

نبی کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کس طرح سے افراد امت کی اخلاقی تربیت کیا کرتے تھے سیرت کی کتابیں اس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں، ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صغرسنی میں صدقہ کی کھجوریں کھا لیں، فوراً آپ ﷺ نے ان کی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’اسے تھوک دو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ کا سامان نہیں کھاتے ہیں؟‘‘ (متفق علیہ) اسی طرح حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ جو ابھی چھوٹے تھے، کھانا کھاتے وقت ان کا ہاتھ پلیٹ میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا، آپ نے انہیں نصیحت کی کہ اے بچے! جب کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھ لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے لقمہ اٹھاؤ۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۳۳۴)

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ سواری پر سوار ہوئے تو آپ نے موقع دیکھ کر انہیں نصیحت کی: ’’**احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك ...الحديث**‘‘ (مسند احمد، ترمذی، صحیح الجامع: ۷۹۵۷) تم اللہ کے فرائض کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور اس کے سبب تمہیں اللہ کی مدد حاصل ہوگی۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا، لوگ لپک کر اسے روکنے کے لیے دوڑے، آپ نے فرمایا: اسے قضائے حاجت کر لینے دو، جب وہ فارغ ہوگیا تو آپ نے گندگی کی جگہ پر پانی ڈلوایا اور پھر اس دیہاتی کو بلا کر سمجھایا کہ یہ جگہ ذکر و اذکار، تلاوت اور نماز کے لیے ہے، اس میں پیشاب پاخانہ کرنا درست نہیں ہے، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نہ اسے ڈانٹا ڈپٹا اور نہ ہی برا بھلا کہا بلکہ بڑی شفقت سے اسے اسلامی اخلاق کی تعلیم دی۔ (صحیح مسلم: ۲۸۵)

یہاں ایک بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ تعلیم وتعلم سے وابستگی رکھنے والے افراد خواہ وہ طلبہ ہوں یا علما انہیں اس جانب توجہ دینے کی خاطر خواہ ضرورت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر یہ شکایت سننے کو ملتی ہے کہ علما اور طلبہ کے اندر اخلاقیات کا فقدان ہے، عوام الناس سے ان کا تعامل صحیح نہیں رہتا اور بہت ساری اخلاقی وسماجی برائیاں ان میں پائی جاتی ہیں جو کسی طرح سے انہیں زیب نہیں دیتیں، حالاں کہ علم تو انسان کے اندر اعلی اخلاق، تواضع اور حسن معاملت پیدا کرتا ہے اور صاحب علم کو ہر طرح سے رفعت وبلندی عطا کرتا ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعادت وفلاح کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ بندے کے علم میں جب اضافہ ہوتا ہے تو اس کے تواضع اور رحمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ذرا غور کریں کہ اس کائنات کے سب سے بڑے مربی، معلم اور مدرس کا کیا وطیرہ تھا ’’**كان رسول الله ﷺ يجلس على الأرض ويأكل على الأرض، ويعتقل الشاة، ويجيب دعوة المملوك على خبز الشعير**‘‘

(سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۲۱۲۵)

نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھتے تھے اور فرش پر کھانا کھاتے تھے، بکری خود ہی باندھتے تھے اور جو کی روٹی پر غلاموں کی دعوت قبول کرتے تھے۔

بعض علما کا یہ قول ہے کہ ''جس نے علم اور فقہ کو بغیر ادب کے ذریعہ حاصل کیا گویا کہ اس نے اللہ ورسول پر جھوٹ باندھنے کی جرأت کی ہے'' (سیر أعلام النبلاء ۱۶/۴۰۰) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص علم حاصل کرتا تو اس کا اثر اس کے خشوع، زبان، آنکھ اور ہاتھ پر صاف نظر آتا (الجامع للخطیب ۱/۱۴۲) امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''جس عاقل وعالم شخص کو اللہ نے دین کی سمجھ بوجھ دی ہے اور اسے علم سے نفع پہنچایا ہے اسے چاہیے کہ جدل وجدال اور جھگڑے لڑائی سے پرہیز کرے۔''

(اخلاق العلماء للآجری، ص ۵۶)

امام ابن عیینہ رحمہ اللہ طالب علم یا علم دین سے شغف رکھنے والے افراد کو متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اگر میرا دن ویسے ہی گذرے جیسے کہ ایک احمق کا گذرتا ہے اور میری رات ویسے ہی کٹے جیسے ایک جاہل شب گزاری کرتا ہے تو میرے اس علم کا کیا فائدہ جسے میں نے تحریر کیا ہے؟''

(اخلاق العلماء، ص ۷۲)

وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ ایک مجلس میں پہنچے جہاں انہوں نے دیکھا کہ قریش کے کچھ افراد جدل ومجادلہ اور بحث وتکرار کر رہے ہیں اور تیز تیز آوازیں آرہی ہیں، حضرت ابن عباس نے ان سے فرمایا کہ ''کیا اللہ کی عظمت اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو گنگ نہیں کر رہی ہے، دلوں کو توڑ نہیں رہی ہے، اور تمہاری دلیلوں کا کاٹ نہیں کر رہی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ خوف الٰہی نے انہیں چپ کرا دیا ہے حالاں کہ وہ گونگے اور بے عقل نہیں ہیں، بلکہ وہ باعزت، فصیح اللسان، صاحب کلام، اہل خرد اور اللہ اور اس کی نشانیوں کے واقف کار ہیں، ہاں مگر جب اللہ کی عظمت کو یاد کرتے ہیں تو اللہ کے خوف اور اس کی ہیبت سے ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں، زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں، اور ان کی عقل ساتھ چھوڑ دیتی ہے.....'' (أخلاق العلماء، ص: ۷۴)

اس کے علاوہ بھی اس تعلق سے بہت سارے نصوص اور سلف کے اقوال موجود ہیں جو طالب علم کو مکارم اخلاق سے متصف ہونے پر ابھارتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جب علم کسی طالب علم کے اندر حسن سلوک، مکارم اخلاق اور حسن معاملت نہیں پیدا کر سکتا اور طالب علم با خلاق، متواضع اور خوش گفتار نہیں بن سکتا تو ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں۔

پس اہل معاشرہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس پہلو پر خصوصی توجہ دیں، شرعی تعلیمات کی روشنی میں افراد کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا عمل انجام دیں، ہر شخص کو یہ چیز بخوبی معلوم ہونی چاہیے کہ اس کے کندھوں پر تزکیہ وتربیت کی عظیم ذمہ داری ہے: ''**كلكم راع و كلم مسئوول عن رعيته**'' ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس ہوگی، زبان وبیان اور طاقت وقوت سے برائی کو روکنے کی کوشش کرے، اس طرح سے ایک صالح اسلامی معاشرہ کی تعمیر ممکن ہوگی اور پورا سماج اسلامی اخلاقی تعلیمات سے منور ہوگا۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو حسن اخلاق کا پیکر بنائے، آمین۔

☆☆☆

اسلام کی نظر میں انسانی جان کا احترام

محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی
سپول، بہار

اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہوکر رہ گیا تھا بعض اوقات پالتو جانور بعض ''مقدس'' حیوانات بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد وروایات وابستہ ہوگئی تھیں، انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابل حفاظت تھے، ان کے لیے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے، قتل مرڈر، وکشت وخون کی ندیاں بہانے کیلئے معمولی واقعات ہی کافی تھے، جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لئے معمولی کام تھا، وائل کی اولاد، بکر وتغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہا ایک عرب سردار مہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ دونوں خاندان مٹ گئے ماؤں نے اپنی اولاد کھوئی، بچے یتیم ہوئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں، پورا جزیرۃ العرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا اور کب دھوکہ سے قتل کردیا جائے گا، لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کے لئے چوکی پہرہ اور مضبوط بدرقہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔

(بحوالہ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر صفحہ نمبر:۶۳، بتصرف یسیر)

ایسے اوضاع واحوال میں نور اسلام طلوع ہوتا ہے، انسان کی قدر وقیمت کو منور کرکے اشرف المخلوقات کا خطاب دیتا اور انسان کا درجہ بلند کرتا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مقدس کے اندر ارشاد فرمایا:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا. (سورۃ الإسراء:۷۰)

ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اچھی روزی دی اور بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق زیست کی حمایت میں فرمایا کہ "لزوال الدنیاء أهون على الله من قتل رجل مسلم" (رواہ ابن ماجہ:۲۶۱۹)

یعنی اللہ کے نزدیک ایک مومن کا قتل پوری دنیا کی بربادی سے بڑا جرم ہے، اس لئے اسلام کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں زندگی، اور زندگی میں امن وسلامتی ہر انسان کا حق ہے۔

محترم قارئین! اس وقت فضا مکدر اور گھٹن والی ہے، پورا عالم انسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک شمال سے لے کر جنوب تک، فساد و بگاڑ کے جس دور سے گذر رہا ہے وہ نہایت بھیانک خوفناک ہے، کہنے کو تو انسان نے بڑی ترقی کی ہے، نت نئی ترقیاں ہوتی جارہی ہیں، لیکن ان ترقیوں نے جہاں انسانوں کو سہولتیں اور آسانیاں دی ہیں وہیں ان کی ایجاد نے انسانی اقدار، اخلاق و کردار پیار و محبت باہمی میل ملاپ اور احترام انسانیت کو خاک میں ملا دیا ہے، بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اب تو انسانی جانوں کے بھی لالے پڑ گئیے ہیں، لوٹ مار قتل وخون ریزی، بم دھماکہ گولی فائرنگ ،ٹرین سے گرا کر کسی معصوم کا خون کرنا، تیر و تفنگ لات جوتے کی مار، لنچنگ و گئو رکھشک کے نام پر معصوموں کی جان لینا، وغیرہ روز مرہ کے معمولات بن گئے ہیں، انسان کو انسان سے ڈر لگتا ہے، جنگل میں وحشی درندوں کے درمیان انسان تو محفوظ رہ سکتا ہے لیکن شہروں میں، آبادیوں میں اس کی جان و مال محفوظ رہے اس کی کوئی ضمانت نہیں،

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اس دور کا ماتم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان کی سوئی ہوئی سبعیت و بہیمیت پھر جاگ اٹھی ہے، وہ اُشرف المخلوقات کی صورت سے آدمی مگر خواہشوں میں بھیڑیا، محل سراؤں میں متمدن انسان مگر میدانوں میں جنگلی درندہ اور اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات مگر اپنی روح بہیمی میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہے۔

اب اپنی خوں ریزی کی انتہائی شکل اور اپنی مردم خوری کے سب سے برے وقت میں آ گیا ہے، وہ کل تک اپنے کتابوں کے گھروں اور علم و تہذیب کے دارالعلوموں میں انسان تھے، آج چیتے کی کھال اسکے چمڑے کی نرمی سے زیادہ حسین اور بھیڑیئے کے پنجے اسکے دندان تبسم سے زیادہ نیک ہیں درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے جنگلوں میں امن وراحت ملے گی، مگر اب انسانوں کی بستیاں اور اولاد آدم کی آبادیاں راحت کی سانس اور امن کے تنفس سے خالی ہوگئی ہیں، کیونکہ وہ جو خدا کی زمین پر سب سے اچھا اور سب سے بڑھ کر تھا، اگر سب سے برا اور سب سے کمتر ہوجائے تو جسمرح اس سے زیادہ کوئی اور نیک نہ تھا، ویسا ہی اس سے بڑھکر اور کوئی برا بھی نہیں ہوسکتا، شیر خونخوار ہے مگر غیروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے، مگر دوسروں کے لئے چیتا درندہ ہے، مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لیے لیکن انسان دنیا کی اعلی ترین مخلوق خود اپنے ہم جنسوں کا خون بہاتا اور اپنے ہی ابنائے نوع کیلئے درندہ خونخوار ہے۔

(بحوالہ چراغ راہ صفحہ نمبر:۱۳۴)

اسلام میں انسانی جان تو انسانی جان جانوروں کے جان کی بھی حفاظت کی گئی ہے، صحیح البخاری رقم الحدیث: (۲۳۶۵) میں ہے کہ ایک عورت محض اس لیے جہنم کی آگ کا ایندھن بنا دی گئی کہ اس نے ایک بلّی کو گھر میں بند کر دیا اور وہ بھوک سے تڑپ کر مر گئی، اس سے ہم سوچ سکتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں انسانی جان کی قیمت واہمیت اور اس کا اکرام واحترام کیا ہوگا۔

سورہ مائدہ کی آیت نمبر:۳۲ میں رب تعالیٰ نے فرمایا:

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا

النَّاسَ جَمِيعًا.

علامہ شوکانی نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں ایک شخص کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل سے تشبیہہ کا مقصد یہ ہے کہ قتل ناحق کی شناخت کو واضح کر کے اس جرم کا اقدام کرنے والوں کو اس سے روکا جائے اور ایک شخص کے زندہ کرنے کو تمام انسانوں کے زندہ کرنے سے تشبیہہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو مجرموں کو معاف کرنے کی جانب راغب کیا جائے۔

(بحوالہ فتح القدیر ۲/۴۵)

قرآن کی بہت ساری آیتوں میں ناحق جان لینے سے منع کیا گیا ہے، سورۃ الأنعام کی آیت نمبر: ۱۵۱ میں فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ.

یہی حکم سورہ الاسراء کی آیت نمبر 33، میں بھی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ لَلَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا. وغیرہ وغیرہ آیات میں قتل ناحق کی شناعت کو واضح کیا گیا۔

سنن ترمذی، ابواب التفسیر میں ایک حدیث ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قاتل کی پیشانی کے بال اور سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کے گلے کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گا کہ اے میرے رب اس نے مجھے قتل کیا تھا یہاں تک کہ عرش کے قریب لے جائے گا، راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے توبہ کا ذکر کیا تو انھوں نے یہی آیت پڑھی (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا. (سورۃ النساء: ۹۲) اور کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور نہ بدلی گئی ہے پھر اس کی توبہ کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

(بحوالہ تیسیر القرآن عبدالرحمٰن کیلانی: ۱/۴۲۵)

معزز قارئین! بنی اسرائیل کے بارے میں قرآنِ کریم فرماتا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّه مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا. (المائدۃ: ۳۲)

اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں فساد کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔

امن کو تباہ کرنا اور انسانی زندگی سے کھیلنا 'فساد ہے۔ قرآن نے اس کی سزا تجویز کی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ

تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدۃ:۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہ سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

قرآن جس کو فساد کہہ رہا ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ اور روے زمین کے امن کو تباہ کرنے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول دنیا میں امن چاہتے ہیں جبکہ کفر وانکارِ خدا 'فساد ' کا متقاضی ہے۔ اس دنیا میں فساد اسلام کی وجہ سے نہیں، کفر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کفر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بھی جنگ ہے اور روے زمین کے امن کے خلاف بھی۔ قرآن میں دسیوں جگہ فساد کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ انسانی امن وسکون کے لیے مہلک ہے اور اس میں مبتلا ہونے سے روکا گیا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک 'فساد ' کا لفظ جس وقت مطلق استعمال ہوتا ہے تو اس وقت تمام برائیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فإذا اطلق الصلاح يتناول جميع الخير وكذلك الفساد يتناول جميع الشر ...وكذلك اسم المصلح والمفسد (کتاب الایمان:۴۴)

صلاح کا لفظ جب مطلقاً استعمال ہوتا ہے تو تمام خیر کو شامل ہوتا ہے اور فساد کا لفظ تمام برائیوں کو۔ اسی طرح مصلح اور مفسد میں بھی تمام معانی پائے جاتے ہیں۔

علامہ شوکانیؒ فساد کی انواع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنه قتل الناس وتخريب منازلهم وقطع أشجارهم وتغوير أنهارهم ومن الفساد الكفر بالله والوقوع فى معاصيه. (فتح القدیر:۲۰۳/۲)

فساد ہی کی قسم سے لوگوں کو قتل کرنا، ان کے گھروں کا مسمار کرنا، ان کے درختوں پیڑ پودوں کو اکھاڑنا، دریاؤں کو خشک کرنا نیز اللہ تعالیٰ کا انکار اور اس کی نافرمانی فساد ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ کہ سات تباہ کن چیزوں سے بچو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالَ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ.

شرک، جادو، کسی ایسی جان جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کا ناحق قتل، یتیم کا مال کھانا جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، پاکدامن غافل مومن عورتوں پر زنا کا الزام دھرنا۔ (صحیح بخاری:۲۷۴۴، صحیح مسلم:۱۴۵)

سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِن دِينِه مَا

لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا (صحیح بخاری:۴۸۴۲)

مومن اس وقت تک اپنے دین کے بارے میں برابر کشادہ رہتا ہے (اسے ہر وقت مغفرت کی امید رہتی ہے) جب تک اس سے ناحق خون سرزد نہ ہو جائے۔

صحابی جلیل سیدنا ابن عمرؓ فرماتے ہیں: إن من وَرْطات الأمور التی لا مخرج لِمَن أوقع نفسَه فيها سفْكُ الدّم الحرامِ بغير حلّه. (صحیح بخاری: ۴۸۴۳)

یقیناً ناحق خون بہانا ان اُمور میں سے ہے جو انسان کو گھیر لیتے ہیں اور ان سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ثبت النهى عن قتل البهيمة بغير حق، والوعيد فى ذالك فكيف بقتل الآدمى ؟ فكيف بالمسلم ؟ فكيف بالتقى الصالح. (فتح الباری ۱۲/۱۹۶)

چوپائیوں، جانوروں، مویشیوں وغیرہ کو بغیر کسی جائز سبب کے قتل کرنے کی ممانعت ہے بلکہ سخت قسم کی وعید ہے، تو ذرا سوچئے کہ انسانی نفوس کو کیسے تلف کیا جا سکتا ہے، کیسے مسلمان کو یا متقی اور بزرگ انسان کو قتل کیا جا سکتا ہے؟

محترم قارئین! موجودہ دور میں انسان کو مکھی اور مچھر کی طرح مارا جاتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کا نظام قصاص نافذ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ''**ولكم فى القصاص حيوٰة**'' کہا ہے، قصاص میں زندگی ہے تمہارے لئے (سورۃ البقرۃ: ۱۷۹) اگر قصاص کے نظام پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ جرم وفساد کم ہو جائیگا، اور قصاص کے خوف سے قتل کے مجرموں کو جرم کا حوصلہ نہ ہوگا۔

لہٰذا ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ناحق خون کرتے ہیں، معصوم پھولوں کو کھلنے سے پہلے ہی ختم کر دیتے ہیں، بم دھماکے کے ذریعے، یا لشکر وتلوار کے ذریعہ، اور مجرم کا پتہ ہی نہیں چلتا ہے، بھیس بدل لیتے ہیں اور مسیحا بن جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں مدینہ منورہ میں ایک شخص کا قتل ہو گیا اور قاتل کا پتہ نہ چل سکا آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے قتل کا جرم واقع ہو رہا ہے، اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا ہے یاد رکھو اگر زمین وآسمان کے لوگ اجتماعی طور پر کسی کے قتل میں شریک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب دے گا۔

(بحوالہ المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲، صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۴، رقم الحدیث ۱۲۶۸۱)

معزز قارئین! پورے عالم بالخصوص برصغیر ہند وپاک کے حالات انتہائی دردناک اور خوں چکاں ہیں، ہر دن کا سورج کسی معصوم کے قتل کا داستان غم سناتا ہے، ہر شام اور ہر صبح قتل ومرڈر کے واقعات بیان کرتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ چنگیزی دور ہے یا ہلاکو خان کا، اتنے خون اتنے قتل، اور اتنی جانوں کا تلف، ذرا ذرا سی بات پر سر پھٹول لڑائی ودنگا، موت کی نیند سلا دینے والی خبریں یقیناً حالات بہت تشویشناک ہیں۔

اللہ ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

قوم یہود قرآن کی روشنی میں

سفیان احمد ریاض الدین
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

قرآن کریم رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے اور راہ ہدایت پر گامزن کرنے کے لیے قرآن کریم نے سابقہ امتوں کے حالات کو بطور تمثیل ذکر کیا ہے جن میں اکثر الذکر امت ''قوم یہود'' ہے۔

''قوم یہود: قرآن کی روشنی میں'' کی وضاحت سے قبل اجمالی طور پر یہود و یہودیت کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

لفظ ''یہود'' توضیح وتشریح:

لفظ ''یہود'' کے اشتقاق کے سلسلے میں علماء کے مابین قدرے اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایا یہ عربی ہے یا غیر عربی، ایک قول کے مطابق لفظ ''یہود'' ''الھود'' سے مشتق ہے جس کے معانی ''التوبۃ والرجوع'' کے ہیں اور اسی معنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا بھی ہے کہ ''**إنا هدنا إليك**'' (سورۂ اعراف:۱۵۶) کہ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ لفظ ''یہود'' غیر عربی ہے اور یہ دراصل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ''یہوذا'' کی جانب یا فلسطین کے شہر یا سلطنت یہوذا کی جانب منسوب ہے جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد قرار پایا تھا۔

(دراسات في الأديان اليهودية والنصرانية، د. سعود بن عبد العزيز الخلف، ص: ٤٥)

یہود کے مختلف اسماء:

۱- یہود: جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: **وقالت اليهود ليست النصارى على شيء** (سورۂ بقرہ:۱۱۳) یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں۔

۲- بنی اسرائیل: یعنی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **يا بني إسرائيل اذكروا نعمتي التي أنعمت عليكم**.....الآية.(سورۂ بقرہ:۴۰) اے اولاد یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اسرائیل کے معنی عبداللہ کے ہیں اس لیے کہ ''اسرا'' بمعنی عبد اور ''ایل'' بمعنی اللہ یعنی ''اللہ کا بندہ''۔

(التحرير والتنوير لابن عاشور: ١/ ٤٥٠)

۳- اہل کتاب: **يا أيها الكتاب لم تكفرون بآيات الله**.....الآية. (سورۂ آل عمران: ۷۰) اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تم (دانستہ) اللہ کی آیات کا کیوں کفر کررہے ہو۔

اسم ''یہود'' قرآن مجید میں اماکن مذمومہ پر ذکر ہوا ہے۔ مثلاً: **وقالت اليهود عزير ابن الله**.....الآية. (سورۂ توبہ:۳۰)(الأديان في القرآن: ١٣٥)

یہودیت کی تعریف:

هي "ديانة العبرانيين المنحدرين من إبراهيم

عليه السلام والمعروفين بالأسباط من بني إسرائيل"(الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة: ١/ ٤٩٥)

عبرانیوں کا وہ مذہب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو کہ اولاد بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہودیت کی وجہ تسمیہ:

یہودیت کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- یہوذا ابن یعقوب کی جانب نسبت کرتے ہوئے۔

۲- تقرب اور عمل صالح کی جانب نسبت کرتے ہوئے، یعنی المتهود بمعنى المتقرب۔ (لسان العرب:۳/ ۳۴۹)

جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے کہ:

سوى ربع لم يأت فيه مخافة
ولا رهقا من عابد متهود
(ديوان زهير، ص: ٢٣٥)

المتهود: المتقرب، التهود: العمل الصالح

۳- الهوادة کی جانب نسبت کرتے ہوئے جس کا معنی ہوتا ہے ''الموادۃ''، یعنی محبت کرنا، تو گویا آپسی محبت کی بنیاد پر یہ نام پڑا۔(موسوعة الملل والأديان: ١/ ٢٣)

یہود کو ایمان کی دعوت:

امام طبری رحمہ اللہ سعید عن قتادہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے یہود کو دعوت اسلام و قیل: ''کلمۃ السواء'' کی طرف بلایا تو انہوں نے انکار کر دیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر طبری: ۵/ ۴۷۴)

قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا أربابا من دون الله..... الآية. (آل عمران:٦٤)

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے۔ ہم اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔

امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ: یہ آیت مدینہ کے اردگرد بسنے والے بنی اسرائیل کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ آیت نجران کے نصاریٰ کے ایک وفد کے سلسلے میں نازل ہوئی۔(تفسیر طبری: ۵/ ۴۷۴)

اللہ کا تصور:

اللہ تعالیٰ کے بارے میں قوم یہود کے تصور کو قرآن کریم کچھ یوں بیان کرتا ہے:

۱- اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔(نعوذ باللہ)

ارشاد الٰہی ہے: **وقالت اليهود يد الله مغلولة، غلت أيديهم ولعنوا بما قالوا بل يداه مبسوطتان ينفق كيف يشاء.** (سورۂ مائدہ:٦٤) اور یہودیوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

''وقالت اليهود يد الله مغلولة'' کی تفسیر میں علامہ ابن تیمیہ اور ابن جریر رقمطراز ہیں کہ وقالت اليهود(عليهم من الله ما يستحقون)يبخل علينا، ويحبس عطاء ه، ويقبض خيره عنا، تعالى الله عما قال أعداء الله علوا كبيرا. (تفسیر طبری: ۵۵۲/۸، ۵۵۳، الجواب الصحیح: لابن تیمیۃ: ۴۱۲/۴، ۴۱۳) یعنی یہودیوں نے کہا (اللہ کا عذاب نازل ہو ان پر جس کے وہ مستحق ہیں) اللہ تعالیٰ بخیلی کرتا ہے، عطاء اور خیر وبھلائی کو ہم سے روک لیتا ہے، اللہ کے دشمنوں نے جو کچھ کہا اللہ اس سے بلند وبالا ہے۔

اور ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہودیوں کے قول ''يد الله مغلولة'' سے ان کے مال ودولت کی حرص کا پتہ چلتا ہے۔ (تفسیر ابن عثیمین: ۱۱۲/۲)

۲- اللہ کے بارے میں یہودیوں کا دوسرا تصور یہ ہے کہ ''اللہ صاحب اولاد ہے'' فرمان ربانی ہے: 'وقالت اليهود عزير ابن الله.....الآية. (سورۂ: توبہ: ۳۰) یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

''عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' اس بات کے قائلین کے ضمن میں قدرے اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق یہ ایک آدمی کا قول تھا جس کا نام ''فخاص'' تھا، جبکہ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ یہود کی ایک جماعت کا قول تھا۔

(تفسیر طبری: ۴۰۸/۱۱)

۳- اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ یہودیوں کا اللہ کے بارے میں یہ تصور ہے کہ اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ فرمایا الٰہی ہے: 'وإذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا وإذا خلا بعضهم إلى بعض قالوا أتحدثونهم بما فتح الله عليكم ليحاجوكم عند ربكم أفلا تعقلون. (سورۂ بقرہ: ۷۶) جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔

''أتحدثونهم بما فتح الله عليكم'' یہودیوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب قریظہ کے دن نبی ﷺ نے ان کے محل کے نیچے کھڑے ہو کر ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''يا إخوان القردة ويا إخوان الخنازير ويا عبدة الطاغوت'' اس پر انہوں نے کہا کہ آخر محمد (ﷺ) کو یہ ساری باتیں کس نے بتلائی ہیں، ضرور ہمیں میں سے کوئی ہے لہٰذا آئندہ یہ سب اور محمد کے بارے میں جو صفات تمہاری کتاب میں ہیں ان کا تذکرہ مت کرنا ورنہ وہ ہمارے خلاف اللہ کے یہاں حجت قائم کریں گے''۔ (تفسیر طبری: ۱۴۸/۲)

آخرت کا تصور:

آخرت کے متعلق قوم یہود کے تصور کو قرآن حکیم نے کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے:

۱- جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وقالوا لن يدخل الجنة إلا من كان هودا أو نصارى، تلك أمانيهم. (سورۂ بقرہ: ۱۱۱) یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود ونصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں۔

مذکورہ آیت میں وارد لفظ ''هودا'' هائد کی جمع ہے جس کا

معنی ہے:"التائب الراجع إلی الحق"(تفسیر طبری:۲/۴۲۸)

۲- یہود چند ہی دن جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

یہودیوں کا آخرت کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جہنم کی آگ چند ہی روز ان کو جلائے گی، جیسا کہ رب ذوالجلال کا فرمان ہے:"......قالوا لن تمسنا النار إلا أياما معدودة"(آل عمران:۲۴) ان کا کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند ہی دن آگ جلائے گی۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ یہود بعث بعد الموت پر ایمان رکھتے تھے، لیکن مجرد ایمان یا تصدیق کا کوئی فائدہ نہیں۔(تفسیر ابن عثیمین:۱/۱۴۹)

"صرف چالیس دن تک یہودیوں کو جہنم میں عذاب ہوگا اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ"ایاما معدودات" سے مراد وہ ایام ہیں جتنے دنوں تک انہوں نے بچھڑے کی پوجا وعبادت کیا تھا"۔(تفسیر طبری:۵/۲۹۷)

۳- دنیا وآخرت میں ان کے لیے بھلائیاں ہی بھلائیاں ہیں۔رب کریم کا ارشاد ہے:

وتصف ألسنتهم الكذب أن لهم الحسنى.

(سورۂ نحل:۶۲) ان کی زبانیں جھوٹی باتیں کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے۔

صفات حمیدہ:

قوم یہود میں کچھ اچھی صفات کے حاملین بھی تھے جن کا تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے، آئندہ صفحات میں چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱- اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

وإن من أهل الكتاب لمن يؤمن بالله وما أنزل إليكم وما أنزل إليهم خاشعين لله ......الآية. (آل عمران:۱۹۹) یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا ہے اس پر بھی، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ، ابن منذر عن ابن جریج کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ"جب نبی ﷺ نے نجاشی بادشاہ کی (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی تو بعض منافقوں نے اعتراض، طنز وطعن کرتے ہوئے کہا کہ محمد (ﷺ) نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی حالانکہ وہ ان کے دین پر نہیں تھا۔اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی وإن من أهل الكتاب......(الدر المنثور في التفسير بالمأثور لجلال الدين السيوطي: ۳/۴۱۶)

اور امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ ابن ابی نجیح کے طریق سے رقمطراز ہیں کہ **وإن من أهل الكتاب لمن يؤمن بالله** سے مراد صاحب ایمان یہود ونصاریٰ ہیں۔(موسوعة التفسير بالمأثور: ۵/۷۸۰)

امانت داری:

ارشاد رب ذوالجلال ہے: **ومن أهل الكتاب من إن تأمنه بقنطار يؤده إليك، ومنهم من إن تأمنه بدينار لا يؤده إليك.** (آل عمران:۷۵) اور بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خازن بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کردیں گے اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی دے تو تجھے ادا نہ کریں۔

قیام اللیل:

۳-بعض یہودی ایسے بھی ہیں جو قیام اللیل کا اہتمام کرتے ہیں جیسا کہ رب کریم کا ارشاد ہے: **لیسوا سواء من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون** (آل عمران:۱۱۳) یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی ہے جو راتوں کے وقت بھی تلاوت کلام اللہ کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اکثر مفسرین کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ اس سے مراد یہود کے وہ علماء ہیں جو ایمان لے آئے تھے مثلاً عبداللہ بن سلام، اسد بن عبید اور ثعلبہ بن سعید وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر:۲/۱۰۵)

انعامات الٰہیہ:

یہودیوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد قسم کے انعامات سے بھی نوازا تھا جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱-فرعون کے مظالم سے نجات۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: **وإذ نجيناكم من آل فرعون يسومونكم سوء العذاب يذبحون .....الآية.** (سورۂ بقرہ:۴۹) اور جب ہم نے فرعونیوں سے تمہیں نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے۔

۲- میدان تیہ میں بادل کا سایہ اور من وسلویٰ کا نزول۔ ارشاد ربانی ہے: **وظللنا عليكم الغمام وأنزلنا عليكم المن والسلوى.....الآية.** (سورۂ بقرہ: ۵۷) اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ''هو غمام أبرد من هذا وأطيب'' مراد ٹھنڈی بدلی اور یہ وہی بدلی تھی جس کو فرشتے بدر کے دن لائے تھے۔ البتہ ''المن'' کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ امام مجاہد کہتے ہیں: المن صمغہ بمعنی گوند اور قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: المن: برف کی طرح نازل ہوتا تھا جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ شراب پانی کی شکل میں نازل ہوتا تھا اور ربیع بن انس سے مروی ہے کہ ''من'' شہد کے مانند نازل ہوتا تھا جس کو وہ لوگ پانی میں ملا کر پیتے تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ ''المن'' چپاتی روٹی، باریک روٹی۔ (تفسیر طبری:۲/۳-۷)

۳-بارہ چشمے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وإذ استسقى موسى لقومه فقلنا اضرب بعصاك الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا** (سورۂ بقرہ: ۶۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

عکرمہ عن ابن عباس سے مروی ہے بنی اسرائیل پر یہ انعام میدان تیہ میں ہوا۔ امام مجاہد سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر طبری:۲/۵-۷)

۴- آسمانی کتاب ''تورات'' عطا کیا۔ ارشاد ربانی ہے: **إنا أنزلنا التوراة فيها هدى ونور** .() ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت ونور ہے۔

صفات مذمومہ اور اخلاقی بگاڑ:

۱-اہل ایمان سے شدید ترین دشمنی۔ فرمان الٰہی ہے: **لتجدن أشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين أشركوا** (سورۂ مائدہ:۸۲) ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔

علامہ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہود ومشرکین علی الاطلاق اسلام ومسلمین کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔(تفسیر سعدی:۲۴۱)

۲-آسمانی کتاب میں تحریف۔ارشادالٰہی ہے:**وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه.** (سورۂ بقرہ:۷۵)ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ سنتے ہیں (علم وعقل ہوتے ہوئے) پھر انہیں بدل ڈالا کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: **من الذين هادوا يحرفون الكلم عن مواضعه** (سورۂ نساء:۴۶) بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:"الکلم" سے مراد"التوراۃ" ہے۔

۳-انبیاء کا قتل۔ارشاد رب العالمین ہے:**وضربت عليهم الذلة والمسكنة ..... ويقتلون النبيين بغير الحق** (سورۂ بقرہ:۶۱) ان پر ذلت ومسکنت ڈال دی گئی.....نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔

ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور لوگوں سے مراد"بنی اسرائیل کے یہود ہیں۔

(تفسیر طبری:۲/۱۳۶)

۴- بہتان تراشی۔ اللہ کا ارشاد ہے: **فأتت به قومها تحمله، قالوا يا مريم لقد جئت شيئا فريا** (سورۂ مریم:۲۷) اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر وہ اپنی قوم کے پاس آئیں،سب کہنے لگے مریم تو نے بڑی بری حرکت کی۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ"فریا" کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ"فريا أي فاحشة" جبکہ امام سعدی رحمہ اللہ نے"فريا" أي "عظيما" سے تفسیر کی ہے۔(تفسیر طبری:۱۵/۱۳۷)

۵- جھوٹ اور حرام خوری۔فرمان باری تعالیٰ ہے: **ومن الذين هادوا سماعون للكذب–وفي مقام آخر– سماعون للكذب أكالون للسحت.** (سورۂ مائدہ:۴۲) اور یہودیوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو غلط بات سننے کے عادی ہیں اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ امام مجاہد کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ"سماعون للكذب" اور"أكالون للسحت" سے مراد یہود ہیں۔(تفسیر طبری:۸/۴۲۸)

ان سب کے علاوہ اور بھی قوم یہود کی صفات مذمومہ کا قرآن حکیم میں ذکر ملتا ہے۔مثلاً بزدلی، دنیا سے محبت، حرص، دھوکہ دہی، خیانت، تکبر اور عہد وپیمان کو توڑنا وغیرہ۔

یہودیوں کے باطل مزاعم:

یہودیوں کے چند باطل مزاعم درج ذیل ہیں:

۱-قتل عیسیٰ علیہ السلام۔ارشاد باری ہے: **وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم** (سورۂ نساء:۱۵۷) اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی چڑھائی بلکہ ان کے لیے صورت بنادی گئی تھی۔

۲-ہم اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ارشاد باری ہے: **وقالت اليهود والنصارى نحن أبناء الله وأحباؤه** (سورۂ مائدہ:۱۸) یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔

۳- نبی کریم ﷺ پر من جانب اللہ خیر وبھلائی نازل نہ

ہو۔ارشادربانی ہے:ما یود الذین کفروا من أهل الکتاب ولا المشرکین أن ینزل علیکم من خیر من ربکم (سورۂ بقرہ: ۱۰۵)نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو۔

۴- دین وایمان سے مومنین کو مرتد کرنا چاہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:ود کثیر من أهل الکتاب لو یردونکم من بعد إیمانکم کفارا (سورۂ بقرہ: ۱۰۹) ان اہل کتاب کے اکثر لوگ تمہیں بھی دین سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

قوم یہود کا انبیاء کے ساتھ تعامل:

تکذیب وقتل انبیاء۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد أخذنا میثاق بني إسرائیل وأرسلنا إلیهم رسلا، کلما جاء هم رسول بما لا تهوی أنفسهم فریقا کذبوا وفریقا یقتلون. (سورۂ مائدہ:۷۰)

۲- عیاری ومکاری۔ اللہ کا فرمان ہے: وقالت طائفة من أهل الکتاب آمنوا بالذي أنزل علی الذین آمنوا وجه النهار واکفروا آخره لعلهم یرجعون. (آل عمران:۷۲)

یہود کے علماء کا کردار:

۱-آسمانی کتاب میں تحریف۔فرمان باری ہے:وقد کان فریق منهم یسمعون کلام اللّٰه ثم یحرفونه من بعد عقلوه وهم یعلمون (سورۂ بقرہ:۷۵)

۲- کذب بیانی۔ وإن منهم لفریقا یلوون ألسنتهم بالکتاب لتحسبوه من الکتاب وما هو من الکتاب. (سورۂ آل عمران:۷۸)

۳- اللہ کی ناقدری۔فرمان ربانی ہے: وما قدروا اللّٰه حق قدره (سورۂ انعام:۹۱)

۴-اختلاف۔اللہ نے فرمایا: إن الدین عند اللّٰه الإسلام، وما اختلف الذین أوتوا الکتاب إلا من بعد ما جاء هم العلم (سورۂ آل عمران:۱۹)

ان سب کے علاوہ باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانا اور علم چھپانا بھی علماء یہود کا طریقہ اور صفات ہیں۔

یہود قوم کے متبعین کا انجام:

۱-یہودیوں کی اتباع کرنے والا ظالم ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:ولئن اتبعت أهواء هم من بعد ما جاء ک من العلم، إنک إذا لمن الظالمین (سورۂ بقرہ:۱۴۵)

۲- رحمت الٰہی سے دور۔ ولن ترضی عنک الیهود ولا النصاری حتی تتبع ملتهم ..... ما لک من اللّٰه من ولي ولا نصیر (سورۂ بقرہ:۱۲۰)

یہود قوم کی ہزیمت اور عبرت ناک انجام:

قوم یہود کو جابجا قرآن کریم میں لعنت کی گئی ہے، انہیں عذاب الٰہی کا مستحق قرار دیا گیا ہے، ذلت ورسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور انہیں بدترین مخلوق قرار دیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سورۂ مائدہ:۱۳

(۲) سورۂ بقرہ:۶۱

(۳) سورۂ بینہ:۶

(۴) سورۂ آل عمران:۱۱۲

(۵) سورۂ مائدہ:۸۷،۸۹

(۶) سورۂ بقرہ:۸۰،۸۶

خلاصۂ کلام:

قوم یہود نہایت ہی سرکش اور باغی قوم ہے۔ جھوٹ، مکروفریب، حیلہ سازی، عیاری ومکاری کے ساتھ ساتھ انبیاء ورسل کی قاتل قوم ہے۔ اسی بنیاد پر رب کریم نے ان پر ابدتک کے لیے ذلت ورسوائی کو مسلط کر دیا۔ قرآن حکیم میں قوم یہود کا تذکرہ کو مختلف مقامات پر الگ الگ انداز میں کیا گیا ہے جن کو اجمالاً رقم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ ہمیں قوم یہود کی مذموم صفات سے محفوظ رکھے اور اعمال حسنہ کی توفیق دے۔ آمین

☆☆

..(بقیہ صفحہ ۴۸) بلکہ حرام ہے اور نہ اس کی تجارت کرنی ٹھیک ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کا استعمال تمام اطباء کے نزدیک بالاتفاق مضرصحت ہے اور صحت کو خراب کرنے والی چیزوں کا استعمال شرعاً حرام ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ تمبا کو کھانے اور پینے والے کے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کے بغل میں کھڑے ہونے والے نمازی کو اذیت وتکلیف پہنچتی ہے، نیز مسجد میں ایسی بدبودار چیز کے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے۔

ثالثاً: اس وجہ سے کہ تمبا کو کا استعمال کھانے اور پینے میں اسراف وتبذیر ہے اور اسراف وتبذیر دونوں شرعاً حرام ہیں۔

رابعاً: اس لیے کہ تمبا کو کھانا پینا بدن میں سستی اور سر میں چکر اور عقل میں فتور وبے حسی کا اثر پیدا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے مسکر کی طرح مفتر سے بھی منع فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے: ''نهى عن كل مسكر ومفتر'' وہ علماء جو بیڑی، سگریٹ یا حقہ پیتے ہیں یا پان کے ساتھ زردہ کا استعمال کرتے ہیں، عورتوں کی طرح اپنا منہ اور ہونٹ لال کرتے ہیں اور ادھر ادھر، یہاں وہاں پیک تھوک کر زمین یا دیوار لال کرتے ہیں اور گندگی پیدا کرتے ہیں وہ اپنے فتوے اور عمل کے ذمہ دار ہیں۔ (تمبا کو زہر قاتل، ص: ۹۴-۹۶)

اوپر کے تمام دلائل سے بہت ہی واضح طور پر تمبا کو کی حرمت ثابت ہوگئی اور جب تمبا کو حرام ہے تو اس کی تجارت بھی حرام ہے۔ جیسے کہ شراب حرام ہے اور اس کی تجارت بھی حرام ہے۔ (صحیح سنن ابوداود: ۳۶۸۳)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''أن كل ما حرمه الله على العباد، فبيعه حرام لتحريم ثمنه'' (نیل الاوطار: ۵/ ۲۳۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو بندوں پر حرام قرار دیا ہے ان چیزوں کی تجارت اور ان کی قیمت بھی حرام ہے۔ اور جب اس کی تجارت اور قیمت درست نہیں تو اس کا کسی بھی کام میں استعمال کرنا بھی درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بری لت سے بچائے، آمین ثم آمین، تقبل یا رب العالمین. هذا ما عندي، والله أعلم بالصواب.

ابوعفان نورالہدیٰ عین الحق سلفی
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

☆☆☆

اخبار جامعہ

مولانا ابوصالح دل محمد سلفی

■ **برنامج اتقان کا چھٹا پروگرام:**

ندوۃ الطلبہ کے زیر اشراف چلنے والا اہم اور متحرک شعبہ ''برنامج إتقان لتنمية المهارات العلمية والثقافية'' کا چھٹا پروگرام ۲۳ر دسمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء قاعۃ المحاضرات میں بعنوان: ''تقلید کی شرعی حیثیت'' زیر صدارت فضیلۃ الدکتور عبدالصبور ابوبکر مدنی حفظہ اللہ منعقد ہوا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

پروگرام کا آغاز عالم ثانی کے طالب عامر حسین شعیب الرحمٰن کی تلاوت قرآن سے ہوا، بعدازاں عالم ثانی کے طالب گلاب عیش محمد نے نعت نبی پڑھی جبکہ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سال دوم کے طالب محمد عاشق اختر عالم نے ''تقلید اور ائمہ اربعہ'' کے عنوان پر اردو زبان میں بہترین تقریر کی اور کلیۃ الشریعہ سال آخر کے طالب مسعود عالم ابوالکلام نے ''چار مشہور فقہی دبستانوں کا مختصر تعارف اور ان کی بنیادی کتابیں'' کے عنوان پر ایک جامع ومدلل مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد عالم اول کے طالب منیر عالم ظفر الدین نے ایک نظم بہترین آواز وانداز میں پڑھی۔ پھر ایک دلچسپ اور علمی مناظرہ بعنوان: ''تقلید شخصی جائز یا ناجائز'' پیش کیا گیا جس کے فریق اول سفیان احمد ریاض الدین اور ان کے رفقاء تھے جو کہ تقلید شخصی کے عدم جواز کے قائل تھے اور فریق ثانی معاذ عبدالماجد اور ان کے رفقاء تھے جو کہ تقلید شخصی کے جواز کے قائل تھے۔ دونوں فریق نے اپنے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بھرپور اور اچھی کوشش کی لیکن دلائل کے اعتبار سے فریق اول غالب رہا۔

آخر میں ڈاکٹر عبدالصبور صاحب حفظہ اللہ نے صدارتی خطاب پیش کیا، صدر مجلس نے تقلید کی شرعی حیثیت پر جامع خطاب کیا اور اس موضوع پر طلبہ کے علمی مظاہرہ کو سراہتے ہوئے انہیں برنامج اتقان کی اہمیت وضرورت اور اس کی افادیت کا احساس دلایا۔ نیز اس پروگرام کو مزید معیاری بنانے کی طرف توجہ دلائی اور اس سلسلہ میں مفید مشوروں سے نوازا۔

■ **مولانا محمد انس صاحب مکی ''مدیر الاختبار'' منتخب**

۲۳ر جنوری ۲۰۲۳ء بروز سوموار غرفۃ الاساتذہ میں محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ کی صدارت میں ایک اہم میٹنگ ہوئی۔ جس میں شیخ الجامعہ فضیلۃ الشیخ محمد مستقیم صاحب سلفی حفظہ اللہ اور مجلس تعلیمی اور لجنۃ الاختبار کے اراکین نے شرکت کی۔ میٹنگ کا ایک اہم ایجنڈا ''مدیر الاختبار'' کا انتخاب تھا۔ باتفاق شرکائے میٹنگ مولانا محمد انس عبدالوحید صاحب مکی حفظہ اللہ کو مدیر الاختبار منتخب کیا گیا۔ اللہ تعالی اس انتخاب کو جامعہ کے لئے مفید وبابرکت بنائے۔ آمین

■ جامعہ سلفیہ بنارس میں 74واں جشن یوم جمہوریہ

سابقہ روایات کے مطابق بتاریخ 26 جنوری 2023 بروز جمعرات جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں 74واں یوم جمہوریہ کا جشن بڑے زور وشور سے منایا گیا۔ پرچم کشائی کی رسم صبح نو بجے جامعہ کے گراؤنڈ میں محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظ اللہ کے ہاتھوں ادا کی گئی۔ پھر عزیزم خورشید عالم شمس الدین اور اس کے رفقاء (سہیل اختر منظور عالم، علقمہ طارق عبدالمنان، ثمامہ ثاقب عبدالمنان) سلمہم اللہ نے قومی ترانہ پڑھا۔ اس کے بعد محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ کی صدارت میں قاعۃ المحاضرات میں ایک پروگرام منعقد ہوا۔

پروگرام کا آغاز سعود عالم مسعود عالم کی تلاوت قرآن سے ہوا اس کے بعد مجیب اللہ محبّ اللہ نے نعت نبی اور اعجاز شاہد اور اس کے رفقاء نے ترانہ جامعہ پھر گلاب احمد اور اس کے رفقاء نے ترانہ ہندی پڑھا، اس کے بعد کلیۃ الحدیث کے طالب سفیان احمد ریاض الدین نے ایک بہترین تقریر ''یوم جمہوریہ کا پیغام'' کے عنوان پر پیش کی، پھر متوسطہ ثانیہ کے طالب محمد التمش شیراز صدیقی نے بہترین آواز وانداز میں ایک نظم (جشن جمہور ہے) کے عنوان سے پڑھی۔ اس کے بعد محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ نے نہایت ہی جامع صدارتی خطاب فرمایا۔

حمد وصلوۃ کے بعد سب سے پہلے محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے 74واں یوم جمہوریہ کی مبارک باد اساتذۂ کرام وطلبہ عزیز اور جملہ دیش واسیوں کو پیش کی۔ اور دستور ہند کی جامعیت واہمیت اور اس کی افادیت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے ملک ہندوستان کے اس جمہوری دستور میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی باشندگان ہند کے مذہبی وسماجی تمام حقوق کا پورا پورا خیال کیا گیا ہے۔ جس کی روشنی میں بلاتفریق مذہب وملت جملہ ہندوستانی آزادی کے ساتھ آسانی زندگی گذار سکتے ہیں۔ ہندوستان کے جمہوری قانون ہی کی دین ہے کہ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب پوری دنیا میں معروف ومشہور اور مقبول ومثالی ہے۔ اس جمہوری قانون کو دوسال گیارہ مہینہ اٹھارہ دن میں ایک باوقار کمیٹی نے بنایا جس کے صدر عالی جناب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر تھے۔ 26 جنوری 1950ء کو اس جمہوری دستور کو ہمارے ملک میں نافذ کیا گیا۔ ایک ہندوستانی ہونے کے ناتے ہم تمام ہندوستانیوں کو چاہئے کہ ہم دستور ہند کو لازمی طور پر پڑھیں تاکہ ہمیں ہندوستان میں زندگی گزارنے کا سلیقہ معلوم ہو۔

اخیر میں محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ نے طلبہ جامعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ طلبہ عزیز کو دستور ہند ضرور پڑھ کر سمجھنا اور ماننا چاہئے۔ واضح رہے کہ اس مرتبہ محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ دستور ہند کی اوریجنل کاپی ساتھ میں لے کر پروگرام میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے طلبہ سے کہا کہ میں یہ کتاب جامعہ کی سنٹرل لائبریری کو دے رہا ہوں نیز پہلے ہی سے لائبریری میں اس موضوع پر کتابیں موجود ہیں آپ حضرات اس کو ضرور پڑھیں۔

اس کے بعد محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ نے ملک کی ترقی کے لیے دعائیہ کلمات پر اپنے خطاب کو ختم کیا۔ پھر تمام شرکاء وحاضرین کے درمیان حسب معمول مٹھائیوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ اور پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

☆☆☆

باب الفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منشیات (گٹکا، تمباکو، سگریٹ اور بیڑی وغیرہ) کے ذریعہ کمائی ہوئی دولت حلال ہے یا حرام۔ مثلاً ایک شخص بیڑی کا کارخانہ کھولا ہے اور بیڑیاں بنواتا ہے تو اس کی یہ تجارت کیسی ہوگی؟

امید ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب.

صورت مسئولہ میں صحیح اور راجح موقف یہ ہے کہ درج ذیل وجوہ کی بناپر یہ حرام عمل ہے:

۱- یہ خبائث میں سے ہے اور ہر خبائث کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث** (اعراف: ۱۵۷) یعنی نبی امی ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک وگندی چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاوی (۵۴۰/۲۱) میں طیب اور خبیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: فكل ما نفع فهو طيب وكل ما ضر فهو خبيث، والمناسبة الواضحة لكل ذي لب أن النفع يناسب التحليل والضرر يناسب التحريم. (یعنی ہر نفع بخش چیز طیب وپاک ہے اور ہر ضرر رساں چیز خبیث وگندی ہے اور نفع ہی حلت کے مناسب ہے اور ضرر حرمت کے مناسب ہے۔)

اور دوسری جگہ (۱۸۰/۱۷) میں فرماتے ہیں:

”فالطيبات التي أباحها في المطاعم النافعة للعقول والأخلاق، والخبائث هي الضارة للعقول والأخلاق“

یعنی طیبات کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے، وہ کھانے پینے کی چیزیں ہیں جو عقل واخلاق کے لیے نفع بخش ہیں اور خبائث وہ چیزیں ہیں جو عقل واخلاق کے لیے ضرر رساں ہیں۔

اس اعتبار سے تمباکو خبائث میں شامل ہے کیونکہ عقل واخلاق دونوں کے لیے ضرر رساں ہیں، اسی وجہ سے بہت سے محققین علماء کرام نے اس کو خبائث میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

”الدخان محرم لكونه خبيثا ومشتملا على أضرار كثيرة، والله سبحانه وتعالى إنما أباح لعباده الطيبات من المطاعم والمشارب وغيرهما وحرم عليهم الخبائث، قال الله سبحانه وتعالى في وصف نبيه ﷺ في سورة الأعراف: ۱۵۷: **يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات**. والدخان بأنواعه كلها ليس من الطيبات بل من الخبائث، وهكذا جميع

المسكرات كلها من الخبائث، والدخان لا يجوز شربه ولا بيعه ولا التجارة فيه كالخمر، والواجب على من كان يشربه ويتجر منه البداء ة بالتوبة والإنابة إلى اللّٰه سبحانه وتعالىٰ والندم على ما قضى والعزم على أن لا يعود في ذلك، ومن تاب صادقا تاب اللّٰه كما قال عز وجل: **وتوبوا إلى اللّٰه جميعا أيها المؤمنون لعلكم تفلحون** (النور:۳۱)'' فتاوی شیخ ابن باز (۱۳۶/۱)

یعنی سگریٹ نوشی حرام ہے کیونکہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں حلال ومباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے اور تمبا کو اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں بلکہ گندی چیزوں میں سے ہے، اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں سے ہیں اس لیے تمبا کو نہ پینا جائز ہے اور نہ ہی اس کی بیع وشراء اور تجارت جائز ہے، جیسا کہ شراب کی صورت ہے۔ لہٰذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے اور اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع اور توبہ کرنا، گزشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہیے اور جو شخص سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

۲- حرام ہونے کی دوسری وجہ اسکار (نشہ پیدا کرنا) ہے۔ بہت سے علماء محققین کی رائے ہے کہ تمبا کو سکر (نشہ) ہے اور نشہ آور اشیاء کے استعمال سے شریعت نے منع کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کل مسکر خمر، وکل مسکر حرام'' (مسلم، الاشربہ، رقم: ۵۲۱۹/۳۴) ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر قسم کی خمر حرام ہے۔

ابوداود اور ترمذی میں حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت منقول ہے: ''کل مسکر حرام، وما أسكر منه الفرق فملأ الكف منه حرام'' (ابوداود، الاشربۃ، باب ما جاء فی السکر، رقم: ۳۶۸۷، والترمذی، الاشربۃ، باب ما جاء ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، رقم: ۱۸۶۶) ہر نشہ آور چیز حرام ہے جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کا ایک گھونٹ پینا بھی حرام ہے۔

علامہ شیخ احمد بن حجر آل بوطامی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: نقل متواتر سے اس کا مسکر ہونا ثابت ہے، وہ اس طرح کہ اس کے استعمال کرنے والے بہت سے لوگ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ بعض آگ میں جل کر مر گئے، بعض سمندر میں گر کر مر گئے، بعض کنویں میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ ان حقائق کا انکار مکابر، ہٹ دھرم اور ضدی ہی کر سکتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ: ''پہلی مرتبہ یا ایک مدت تک چھوڑنے کے بعد استعمال کرنے والوں کے لیے تمبا کو مسکر (نشہ آور) ہے، یہ صفت اس کو حرام قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ تحریم کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر استعمال کرنے والے کے لیے مسکر ہو۔

۳- تمبا کو دیگر وجوہ سے بھی حرام ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں: ''زردہ، تمبا کو کھانا پینا یا اس کا منجن استعمال کرنا یا ناک میں اس کا رگڑنا اور سونگھنا میرے نزدیک جائز نہیں ہے... (بقیہ صفحہ ۴۴ پر)

PRINTED BOOK

FEBRUARY 2023

ISSN 2394-0212

Vol.XL No.02

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

جامعه سلفیه بنارس کی جدید مطبوعات

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.